https://muftimuhammadtauseefqasmi.blogspot.com

☆اختلاف کا بیان ہماری درسیات میں اصول فقہ کا ہے، لیکن یہ فن عربی ہی میں مظلوم بن کر رہ گیا ہے، اردو میں تو دم توڑ کر اب درسیات کی اردو شروحات میں مدفون ہو چکا ہے، (الا ماشاء اللہ) پھر اس کے نتائج بھی بھیانک ہیں، احکام میں افراط وتفریط، نظر وفکر میں غلو وتشدد جیسے نتائج عام علماء نہیں، خواص میں نمایاں ہیں۔

☆عقیدہ وفکر کے باب میں ہمیں اس طرز وطریق کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے جو سلف امت سے لے کر خود ہمارے اکابر دیوبند کا تھا، استدلالی، تحقیقی اور علمی جو انصاف کی تمام حدود کی رعایت کرتا ہوا حق کا رہنما بنے اسی کو اپنایا جائے، نہ یہ کہ حق کو سمجھنے کے لئے اپنی طرف سے الجھن بھرے قاعدے وضع کئے جائیں۔

☆اس تحریر کا محرک وداعی یہ ہرگز نہیں کہ ایک طبعی ابال تھا جس نے لکھنے پر مجبور کر دیا، یا کوئی ذاتی ونجی پرخاش، بلکہ دل کی گہرائیوں تک صرف ایک ہی مقصد ہے کہ جب فکرو عقیدہ کی تشریح کے متعلق بہت زیادہ غلو دیکھنے میں آیا تو مسلک دیوبند اور مادر علمی کی حمیت نے خاموشی کا جواز نہ چھوڑا، علم وتحقیق سے بیزار نام کے علماء کا کام تو اسی سے چل رہا ہے، لیکن جنھیں اکابر کی فہرست میں شمار کیا جاتا ہے اور ان کی باتوں کو وقعت دی جاتی ہے تو چھوٹوں کو ہی ان کی غلط فہمیوں کو دور کرنا پڑے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف وتقدیم

الحمدللہ رب العالمین ، والصلوٰۃ والسلام علی سیدالمرسلین و علی آلہ وأصحابہ أجمعین، سبحانک لا علم لنا إلا ما علمتنا ، إنک أنت السمیع العلیم، أما بعد!

ادھر چند سالوں میں جس تسلسل سے اکابر علماء کی وفیات ہوئی ہیں ان سے علمی اور فکری حلقوں میں خلا پر خلا ہوتا چلا گیا، عامۃ المسلمین تک ان پے بہ پے کوچ سے سخت اضطراب محسوس کرتے رہے،خود دیوبندکئی اکابر سے خالی ہوگیا، انھیں میں سے ایک خطیب الاسلام علوم قاسمیہ کے وارث وشارح حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی ہے، جوایک ہمہ جہت شخصیت ہی نہیں بلکہ ایک دور تھے، جواپنے اندر بہت کچھ سموئے ہوئے تھے۔

حضرت اقدسؒ کے انتقال کے بعد قریب ہی عرصہ میں ان کی حیات وخدمات پر سیمینار کی خوشخبری ملی،لیکن اسی کے ساتھ جو غلط فہمیوں اور فکری تشدد کا طوفان برپا کیا گیا اس سے سخت بے چینی ہوئی، اس سیمینار میں دارالعلوم دیوبند وقف کی جانب سے دارالعلوم دیوبند کے اکابر واساتذہ کو بھی مدعو کیا گیا،مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب،مولانا ارشد مدنی صاحب،مولانا نعمت اللہ اعظمی صاحب دامت برکاتہم اور دیگر اساتذہ کو بھی دعوت دی گئی، اس میں حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد پالنپوری دامت برکاتہم بھی مدعو

کئے گئے، تو انھوں نے'' جلسہ تعزیت'' کے عدم جواز کے سارے دلائل دے کر اس ''سیمینار'' کو ممنوع و بدعت قرار دے دیا، اور مسلک دیوبند کی دہائی دی، بس پھر جو مسلکی تماشہ کھڑا ہونا تھا ہوا، ان سب باتوں کو ہم بھلا چکے تھے، لیکن حضرت الاستاذ نے ان تمام باتوں کو جو خود ان کی تھیں، یا ان کی حمایت میں تھیں، جمع کر ایک کتاب بنا کر شائع کر دیا، اوروں سے ہمیں کیا کہنا، لیکن حضرت الاستاذ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث ہیں، ان کے قول و عمل کی نسبت دارالعلوم کی طرف ہے، انھوں نے جو غلط فہمیاں پھیلائیں اگر ان کا جائزہ نہ لیا گیا تو وہ سب باتیں دارالعلوم کی فکر و ترجمانی سمجھی جائیں گی، اس لئے ضروری تھا کہ ان کی باتوں کا علمی و تحقیقی جائزہ لیا جائے۔

☆ دیوبند کے حلقے میں حضرت الاستاذ مفتی سعید صاحب اپنے افکار و آراء کے متعلق معروف و مشہور ہیں، ان کی آراء بس پھر انہیں کی ہوتی ہیں، اس سے قبل بھی متعدد امور میں ان کی آراء کے سبب کبھی ان کو، تو کبھی حلقہ دیوبند کو سبکی کا سامنا کرنا پڑا، لیکن اب ادھر انھوں نے مسلک دیوبند اور عقائد کو سمجھانے کا بیڑا اٹھایا ہوا ہے، جس کے سبب نت نئے شوشہ آنمخدوم سے صادر ہو رہے ہیں۔

☆ جس کا معبود چہرہ، ہاتھ، پاؤں اور پنڈلی والا ہو، اور عرش پر بیٹھتا ہو ایسے شخص کو دوسرے کو عقیدہ و مسلک سکھانا سمجھانا نہیں چاہئے، ایسے میں عقیدہ کی تعلیم و تفہیم میں غلطی ہونا ظنی نہیں یقینی ہے، اس لئے انھیں خود اپنی اصلاح عقیدہ کی فکر کرنی چاہئے۔ مگر افسوس، صد افسوس! دل میں سخت حیرت و اضطراب ہے کہ ان کی ہفوات

وبدعقیدگی میں دارالافتاء دیوبند، یعنی خود دارالعلوم دیوبندان کا مؤید ہے(دیکھئے ویب سائٹ پر فتویٰ نمبر: ۱۵۵۹۴۴)، ایسے میں کس سے کہا جائے اور کیا کہا جائے؟ سوچ کر کلیجہ منھ کو آتا ہے کہ دارالعلوم کے دارالافتاء اور وہاں کے مسند حدیث سے ایسی چیزیں نشر کی جارہی ہیں جن کا ہمارے اکابر اور سلف کے عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں۔ والی اللہ المشتکیٰ

☆''اختلاف'' ایسا وسیع وعمیق موضوع ہے کہ اس پر اکیڈمیاں اور افاضل علماء کی جماعتیں بیٹھ کر لکھنا شروع کریں تو سالوں اس کے اصول وجزئیات کی جمع و ترتیب پر صرف ہوں، یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلامیات میں جتنی اقسام وشقیں اختلاف کی مذموم ومردود ہیں، محمود ومقبول بھی اس سے کم نہیں۔

اختلاف کا بیان ہماری درسیات میں اصول فقہ کا ہے، لیکن یہ فن عربی ہی میں مظلوم بن کر رہ گیا ہے، اردو میں تو دم توڑ کر اب درسیات کی اردو شروحات میں مدفون ہو چکا ہے، (الا ماشاء اللہ) پھر اس کے نتائج بھی بھیانک ہیں، احکام میں افراط و تفریط، نظر وفکر میں غلو وتشدد جیسے نتائج عام علماء نہیں، خواص میں نمایاں ہیں، جب تک ہم اپنے جیسے ہم عمروں کو یا ان سے بڑے (اکابر سے کم) علماء کو بھی باب الاختلاف کی اغلاط میں مبتلا دیکھتے ہیں تو افسوس کرتے، مزید کیا کرتے؟، اب حدیں پار ہو چکی ہیں، اکابر بھی اس صف میں شامل ہوتے دکھائی دے رہے ہیں، اور ایسی باتیں جن میں انہیں چھوٹوں کا رہنما بننا تھا وہ خود مغالطے میں نظر آتے ہیں۔

☆نقد وتبصرہ بہت بڑا کام ہے، اتنا بڑا کام کہ ہزاروں مصنفین پر معدودے

کچھ نقاد ہوتے ہیں، راقم تو علم سے تہی دامن ہے، تاہم کچھ باتیں جو اختلاف کے موضوع پر مطالعہ سے نوٹ کی تھیں انہیں پیش کرنا اپنا طالب علمانہ حق سمجھتا ہے۔

پھر یہ نقد بھی کئی معنوں سے نازک ہے، ایک تو مسئلہ عقیدہ وفکر کا، پھر میرے استاذ اور بڑے استاذ، آگے بڑھ کر وہ ایک شیخ الحدیث، سب سے بڑھ کر وہ دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث۔

ادبیات میں کم مائیگی کے سبب قوی امکان ہے کہ حق وآداب استاذی کی کماحقہ رعایت نہ ہو پائے، اس سے بچنے کا پختہ ارادہ کر کے قلم اٹھایا ہے، پھر بھی پیشگی معذرت قارئین کے سامنے کرتا ہوں، اور امید کرتا ہوں کہ دانا حضرات نقوش والفاظ کے پیچ وتاب میں نہ الجھ کر معانی ومطالب پر توجہ فرمائیں گے، اور عقیدہ وفکر کی بندش سے آزادی کے دور میں صحیح عقیدہ وفکر کی تحقیق وتعمیل کی کوشش کریں گے، اور سلف کا رویہ اختیار کریں گے۔

☆ نفس مسئلہ پر گفتگو نہ کر کے بحث کو کسی اور طرف پھیرنا کہ لکھنے والا دیوبندی ہے یا نہیں؟ دیوبندی ہے بھی تو کتنا؟ نہایت علمی بزدلی ہے، اور لاجواب ہونے کی دلیل شافی ہے۔

اکابر دیوبند سے الحمد للہ جب سے ہوش سنبھالا ہے تب سے عقیدت ہے، محبت ہے، ان کے لئے کچھ کر گذرنے کا جذبہ ہے، ان کے علوم کا شمہ مانگنا آج بھی دعا کا حصہ ہے، اکابر تو اکابر تھے، بندہ تو اپنے اساتذہ کی جوتیوں کو خود سے افضل سمجھتا ہے،

لیکن عظمت واحترام علمی اختلاف اورفنی استدراک سے مانع نہیں،کبھی نہیں، مجھ سے کوئی سخت کلامی ہوجائے تو یہ میری خطا ہے،قصد نہیں۔

☆ بات یہ نہیں ہے کہ کس کی کیا رائے ہے، افسوس اس بات کا ہے کہ ایک جزئی وفرعی مسئلہ کومسلک کا اکھاڑہ بنادیا گیا،اس غلط فہمی کو دور کرلینا چاہئے - جسے ہم نے اچھے خاصے علماء میں بھی دیکھا ہے-وہ یہ کہ فرعی و جزئی مسائل اور مجتہد فیہ مقام میں دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ ہی نہیں اکابر دیوبند کا اتفاق بھی اسے مسلک دیوبند نہیں بنادیتا،اگر وہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے تو اس میں اہل تحقیق کو اختلاف کا حق ہے،اس سے نہ عقیدہ کی مخالفت لازم آتی ہے، نہ ہی کوئی مسلک دیوبند سے نکل جاتا ہے۔اللہ سمجھ دے،توفیق دے۔

☆ عقیدہ وفکر کے باب میں ہمیں اس طرز وطریق کواختیار کرنے کی ضرورت ہے جوسلف امت سے لے کرخود ہمارے اکابر دیوبند کا تھا،استدلالی،تحقیقی اور علمی جو انصاف کی تمام حدود کی رعایت کرتا ہواحق کا رہنما بنے اسی کواپنایا جائے، نہ یہ کہ حق کو سمجھنے کے لئے اپنی طرف سے الجھن بھرے قاعدے وضع کئے جائیں۔

☆ اس تحریر کا محرک وداعی یہ ہرگز نہیں کہ ایک طبعی ابال تھا جس نے لکھنے پر مجبور کردیا، یا کوئی ذاتی ونجی پرخاش ، بلکہ دل کی گہرائیوں تک صرف ایک ہی مقصد ہے کہ جب فکر وعقیدہ کی تشریح کے متعلق بہت زیادہ غلو دیکھنے میں آیا تو مسلک دیوبند اور مادر علمی کی حمیت نے خاموشی کا جواز نہ چھوڑا،علم وتحقیق سے بیزار نام کے علماء کا

کام تو اسی سے چل رہا ہے، لیکن جنھیں اکابر کی فہرست میں شمار کیا جاتا ہے اور ان کی باتوں کو وقعت دی جاتی ہے تو چھوٹوں کو ہی ان کی غلط فہمیوں کو دور کرنا پڑے گا۔

بڑوں سے نہی عن المنکر کی تشجیع وترغیب دیتے ہوئے محی السنہ حضرت اقدس مولانا محمد ابرارالحق صاحب نوراللہ مرقدہ کو فرماتے ہوئے سنا: کہ اگر بڑوں کی چائے کی پیالی میں مکھی گر جائے تو ادب کے مارے خاموش نہیں بیٹھ جاتے، بلکہ بڑوں کے آداب کی رعایت کرتے ہوئے انھیں اس پر توجہ دلا دیتے ہیں، منکرات (عملی ہوں یا فکری) میں پھر یہ طرز کیوں نہیں اختیار کیا جاتا؟ اُس سے تو صحت خراب ہوگی، اور اِس سے ایمان وفکر خراب ہوسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہوں کہ اس کوشش وکاوش کو فکر وعقیدہ میں بیداری ومہمیز کا ذریعہ بنائے، علماء میں فکری حوار وتحقیق کا واسطہ بنائے اور اپنے یہاں قبول فرما کر میرے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔

اللّٰھُمَّ اَرِنَا الحَقَّ حَقّاً وَ ارْزُقْنَا اتِّبَاعَہ وَ اَرِنَا البَاطِلَ بَاطِلاً وَ ارْزُقْنَا اجْتِنَابَہ

محمد توصیف قاسمی

حسین منزل، نوبستہ، لکھنؤ، ہند

۱۲؍رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ، ۱۸؍مئی ۲۰۱۹ء

Muhammadtqasmi@gmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے اسے صرف دو ہی خانوں میں تقسیم فرمایا ہے، تیسرا کوئی خانہ ومنزلہ بین المنزلتین موجود نہیں:

ھو اللہ خلقکم فمنکم کافر و منکم مؤمن. (تغابن:۲)

پھر کافروں میں مابین کتنے ہی اقسام ہوں، انواع واصناف ہوں، مذموم و مردود ہونے میں سب برابر ہیں۔

و لو شاء اللہ لجعل الناس أمة واحدة و لا یزالون مختلفین إلا من رحم ربک. (ھود:۱۱۸،۱۱۹)

اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو سب کو ایک بنا دیتے، لیکن اس نے اپنی حکمت عظیمہ سے ایسا نہیں کیا، اب یہ لوگ آپس میں اختلاف کرتے رہتے ہیں، ، بس وہی لوگ اختلاف سے محفوظ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

اہل اسلام (امت استجابہ) کا اختلاف دو طرح کا ہے، تمام اکابر اسلام، فقہاء اعلام یہی کہتے ہیں ایک قسم ہے: عقائد، قطعیات، عقلیات، بدیہیات، یقینات، اصولِ (اہل السنہ) مختلف تعبیریں ہیں، حقیقت ایک ہے، دوسری قسم ہے: فروع، فرعیات، نقلیات، ظنیات؛ ایک تقسیم ہے، اور اس میں دو جلی اقسام ہیں، بقیہ جو ہیں بھی وہ انہیں دونوں کے تابع ہیں، لیکن باب الاختلاف سے بے اعتنائی کے سبب بڑے حضرات بھی غچہ کھاتے نظر آتے ہیں، عقائد کے باب کا اختلاف حق و باطل کا اختلاف ہے، اہل السنہ والجماعہ کے مشترک مسلمہ عقائد حق ہیں، ان سے سرِ مو انحراف باطل ہے، پھر یہ باطل دو قسموں پر ہے، ایک کفر صریح، دوسرا بدعت۔

فروع وظنیات کا اختلاف حق وباطل کا نہیں، بلکہ خطا وصواب کا ہے، جن مسائل میں اجتہاد کی گنجائش ہے، اسے مجتہد فیہ کہا جاتا ہے، جہاں ثبوتاً یا دلالۃً دلیل ظنی ہو، یا اس مسئلہ میں صحابہ کرام کا اختلاف ہو وہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، اس میں قیامت تک یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا یہ کون سا بعینہ حق ہے اور دوسرا باطل، کتنی ہی بحث وتمحیص کرلی جائے نتیجہ یہی نکلے گا: ایک صواب ہے خطا کا احتمال ہے، دوسرا خطا ہے صواب کا احتمال ہے، اس موقع پر فقہاء اصولیین کو پڑھنا مفید ہوگا، یہاں صرف ایک عبارت نقل کی جاتی ہے:

حكمه أى الاجتهاد (الاصابة بغالب الراى) أى غلبة الظن فى الحكم مع احتمال الخطافلا يجرى الاجتهاد فى القطعيات وفيما يجب فيه الاعتقاد الجازم من أصول الدين (حتىٰ قلنا إن المجتهد يخطئ و يصيب فى موضع الخلاف) وهى المسائل الفقهية ...(وهذا)أى محل الخلاف (فى النقليات لا فى القطعيات) أى فى الاصول والعقائد، فالمخطئ فيها معاتب ، بل مضلل أو كافر لأن الحق فيها واحد إجماعا ، والمطلوب هو اليقين الحاصل بالأدلة القطعية. (فتح المغفار بشرح المنار، علامہ ابن نجیم حنفی مصری، ط مصر ۱۳۵۵، ۳/ ۳۹و۴۰)

ترجمہ: اجتہاد کا حکم یہ ہے کہ وہ غالب رائے میں صواب اور درست ہوتا ہے، یعنی (نص سے شارع کی مراد پانے میں) خطا کا احتمال باقی رہتا ہے، تو اجتہاد قطعیات (عقائد واصول اسلام) میں جاری نہیں ہوگا، اور نہ اصول اسلام کے ان امور میں جن میں یقین کامل رکھنا ایمان فرض ہے، بس

ہم کہتے ہیں کہ موقعِ اختلاف یعنی مسائل فقہیہ میں اجتہاد کرنے والا کبھی اپنے اجتہاد سے صواب (شارع کی مرادا) کو پالیتا ہے، اور کبھی خطا کر جاتا ہے......اور یہ موقع اختلاف نقلیات (فروع وظنیات) تک محدود ہے، قطعیات موقع اختلاف و مجتہد فیہ نہیں، یعنی اصول و عقائد اسلام میں اجتہاد نہیں، ان میں خطا کرنے والا سزا کا مستحق ہے، بلکہ گمراہ ہے یا کافر ہے، کیونکہ یہاں باجماع امت حق صرف ایک ہے، اور ادلہ کاملہ کے ذریعہ اس پر یقین جازم رکھنا مطلوب شرعی ومنشاء شارع ہے۔اھ

اس میں مذاہب اربعہ میں سے کسی بھی معتبر عالم وفقیہ کا اختلاف موجود نہیں، تمام فقہاء اسی پر متفق ہیں، اور یہی احناف کا بھی مسلمہ نظریہ ہے:

قال فی آخر المصفی: إذا سئلنا عن مذهبنا و مذهب مخالفينا فی الفروع، يجب علينا أن نجيب بأن مذهبنا صواب يحتمل الخطأ، مذهب مخالفينا خطأ يحتمل الصواب، لأنك لو قطعت القول لما صح قولنا إن المجتهد يخطئ و يصيب، و إذا سئلنا عن معتقدنا و معتقد خصومنا فی العقائد يجب علينا إن نقول: الحق ما نحن عليه و الباطل ما عليه خصومنا، هكذا نقل عن المشائخ. (الاشباه والنظائر لابن النجیم، الفن الثالث، فائدۃ فی اعتقاد الانسان فی مذھبہ ومذھب غیرہ ص ۴۵۲، ط دار الفکر)

ترجمہ: مصفّٰی کے آخر میں لکھا ہے: جب ہم سے ہمارے اور ہمارے مخالف کے فروعی وفقہی مسلک کے بارے پوچھا جائے گا تو ہم

جواب دیں گے: ہمارا فقہی مسلک یا مسئلہ صواب ہے اس میں خطا کا احتمال ہے، اور ہمارے مخالف کا مسلک یا مسئلہ خطا ہے اس میں صواب کا احتمال ہے؛ کیونکہ اگر آپ یقینی طور پر کہیں (کہ ہم صواب پر اور ہمارا مخالف خطا پر ہے) تو یہ قول درست نہ ہوگا کہ مجتہد کبھی خطا کرتا اور کبھی صواب کو پالیتا ہے (جیسا کہ حدیث پاک میں مصرح ہے، دیکھئے بخاری رقم حدیث: ۷۳۵۲، باب اجر الحاکم اذا اجتہد)۔

اور جب ہم سے ہمارے و ہمارے مخالف کے عقائد کے بارے میں پوچھا جائے گا تو ہم یہ جواب دیں: یقینی طور پر ہمارا عقیدہ ہی برحق ہے، اور ہمارے مخالف کا عقیدہ باطل محض ہے، علماء و مشائخ سے اسی طرح منقول ہے۔اھ

☆ عقائد سب کے سب قطعی و یقینی ہوا کرتے ہیں، البتہ علم العقائد کی کچھ ابحاث ایسے بھی ہیں جو فروعی ہیں، جن میں اختلاف کی گنجائش ہے، ایسی باتوں کو **استطراداً** عقیدہ کہہ دیا جاتا ہے، ورنہ درحقیقت وہ عقیدہ نہیں ہوتیں، جیسے معراج میں رویت باری ہوئی یا نہیں؟ یزید فاسق ہے یا نہیں؟

علماء نے یہ تقسیم مجتہد فیہ اور غیر مجتہد فیہ کے اعتبار سے تو کردی، لیکن دونوں قسموں ہر جماعت کا الگ الگ نام نہیں تجویز کیا، ، جیسے مسلک، مذہب، فرقہ وغیرہ، عربی میں یہ انہیں عقلیات، عقائد، قطعیات اور فروع، فرعیات وظنیات کے نام سے ہی موسوم کرتے ہیں، اردو میں بھی درحقیقت اس تقسیم کا کوئی نام نہیں، بس غالب استعمال ہے، اور وہ یہ کہ مسلک کا استعمال ظنیات کے لئے کیا جاتا ہے، جیسے کہتے ہیں:

حنفی مسلک، مالکی مسلک شافعی مسلک، پہلی قسم یعنی عقائد وقطعیات کے لئے ہمارے یہاں کوئی معروف تعبیر موجود نہیں، بس لفظ ''فرقہ'' اس معنیٰ پر پوری طرح دلالت تو کرتا ہے، مگر لوگوں کے نزدیک یہ اتنا ثقیل ہے کہ اس کا استعمال کرنے سے کتراتے ہیں، اس لئے کہ فرقہ؛ فرقہ پرستی یا فرقہ وارانہ جیسے بھیانک مفاہیم کا جزء بنا ہوا ہے۔

تبلیغ کس چیز کی ہو؟ عقائد یا فروع؟

فروع وظنیات میں چونکہ اجتہاد کی گنجائش ہے، نیز یہ اختلافات وہ ہیں جو صحابہ وسلف سے مختلف فیہ چلے آ رہے ہیں، اس لئے ان کی بے علم کو تعلیم تو جائز ہے، لیکن دوسرے مسلک پر عمل کرنے والے کو اپنے مسلک کی تبلیغ وتشکیل جائز نہیں، یہ بالکل بدیہی، متفق علیہ واجماعی بات ہے، اس میں کسی معتبر ومعقول عالم وشخصیت کا اختلاف منقول نہیں، سوائے حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند دامت برکاتہم کے، انھوں نے اس مسئلہ اپنا اختلاف درج فرماتے ہوئے کتاب ''جلسہ تعزیت کا شرعی حکم'' تحریر فرمائی ہے، جس میں ایک عجیب غریب دلیل من تشبہ بقوم سے استدلال کیا ہے، اوپر الاشباہ سے جو عبارت نقل کی ہے اس سے بھی ہمارا مدعا سمجھ میں آتا ہے، علامہ نوویؒ نے ماوردیؒ کے حوالہ سے بصراحت نقل فرمایا ہے:

ثم إنه إنما يأمر و ينهىٰ من كان عالما بما يأمر به و ينهىٰ عنه وذلک يختلف باختلاف الشئی فإن كان من الواجبات الظاهرة والمحرمات المشهورة كالصلاة والصيام والزنا والخمر ونحوها فكل المسلمين علماء بها، وان كان من دقائق الافعال

والاقوال ومما يتعلق بالاجتهاد لم يكن للعوام مدخل فيه ولا لهم انكاره بل ذلک للعلماء، ثم إن العلماء انما ينكرون ما أجمع عليه، أما المختلف فيه فلا انكار فيه ؛ لان على أحد المذهبين: كل مجتهد مصيب، وهذا هو المختار عند كثيرين من المحققين أو أكثرهم وعلى المذهب الآخر المصيب واحد والمخطئ غير متعين لنا والإثم مرفوع عنه، لكن ان ندبه على جهة النصيحة إلى الخروج من الخلاف فهو حسن محبوب مندوب الى فعله برفق، فان العلماء متفقون على الحث على الخروج من الخلاف إذا لم يلزم منه اخلال بسنة او وقوع فی خلاف آخر، وذكر أقضى القضاة ابوالحسن الماوردی البصری الشافعی فی كتابه : الأحكام السلطانيه خلافا بين العلماء فی أن من قلده السلطان الحسبة هل له ان يحمل الناس على مذهبه فيما اختلف فيه الفقهاء اذا كان المحتسب من اهل الاجتهاد ام لا يغير ما كان على مذهب غيره؟ و الأصح انه لا يغير لما ذكرنا ولم يزل الخلاف فی الفروع بين الصحابة والتابعين فمن بعدهم رضی الله عنهم اجمعين ،ولا ينكر محتسب ولا غيره على غيره وكذلک قالوا ليس للمفتی ولا للقاضی ان يعترض على من خالفه إذا لم يخالف نصا أو إجماعا أو قياسا جليا. والله اعلم

(شرح نووی علی صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب کون النہی عن المنکر من الایمان، مطبعہ مصریہ ازہر، ۲ / ۲۳ و ۲۴)

ترجمہ: اور اسی چیز کا حکم کرے جس کا مامور ہونا معلوم ہو، اور اسی چیز پر نکیر کرے جس کا منکر ہونا معلوم ہو، اس طرح ہر چیز کا حکم و درجہ الگ الگ ہوگا، تو جیسے فرائض اسلام اور محرمات مشہورہ میں سے ہو، مثلاً نماز، روزہ، زنا، شراب وغیرہ ان باتوں کو تمام مسلمان جانتے ہی ہیں، اور اگر قول وعمل کی باریک باتیں ہوں، یا اجتہادی مسائل ہوں ان میں عوام کو دخل نہیں دینا چاہئے، اور نہ ہی ان کے لئے ایسے امور پر نکیر کرنے کی گنجائش ہے، بلکہ یہاں صرف علماء یا مکمل واقف کار ہی امر و نہی کے مجاز ہوں گے۔

پھر علماء بھی ان ہی چیزوں پر نکیر کریں جو اجماعاً منکر و معصیت ہوں، لہٰذا مجتہد فیہ مسائل میں علماء کو بھی نکیر کی گنجائش نہیں، اس لئے کہ ایک قول کے مطابق ہر مجتہد صواب کو پانے والا ہے- اور یہی مختار ہے محققین کے نزدیک، بلکہ اکثر کا مذہب یہی ہے- اور دوسرے قول کے مطابق ایک صواب کو پانے والا ہوتا ہے، جب کہ مخطی کو ہم متعین نہیں کر سکتے، اجتہاد میں (شرائط پورے کرنے پر) خطا کا گناہ معاف ہے، لیکن اگر کسی کو محبت و نرمی سے خروج من الخلاف والی صورت پر عمل کرنے کی تشکیل کرے تو یہ محبوب و مرغوب عمل ہے، اس لئے کہ علماء اجماعاً خروج من الخلاف کی ترغیب کے قائل ہیں جب کہ اس سے کسی سنت میں خلل واقع نہ ہو یا کسی دوسرے اختلاف میں وقوع نہ لازم آئے۔

اقضی القضاۃ ابوالحسن ماوردی بصری شافعی نے اپنی کتاب الاحکام السلطانیہ میں علماء کا اس بارے میں اختلاف نقل کیا ہے کہ جس

شخص کو سلطان نے محتسب (مطوع) بنادیا، اگر وہ محتسب خود مجتہد و محقق ہے تو کیا اس کے لئے کہ یہ جائز ہے کہ دوسرے مسلک والوں کو اپنے (محتسب کے) مسلک پر مجبور کرے؟ اصح قول یہی ہے کہ یہ جائز نہیں؛ اسی دلیل (ہر ایک یا ایک ہی مصیب ہے) کی بنا پر جو ہم نے ذکر کی، فروع وظنی مسائل میں اختلاف صحابہ، تابعین اوران کے بعد سے چلا آرہا ہے، اسی طرح مفتی و قاضی کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ ایسے کسی پر اعتراض کریں جو اس کی (مسلک و فروع میں) مخالفت کرے، تا آنکہ وہ کسی نص یا اجماع یا قیاس جلی کی مخالفت کرے۔ واللہ اعلم

جامع ہونے کے سبب اس ایک عبارت پر اکتفاء کیا گیا، ورنہ اختلاف کے موضوع پر ہر عالم وفقیہ نے یہی بات صراحتاً، دلالۃً، اشارۃً غرضیکہ کسی نہ کسی طرح کہی ہے، ہمیں اپنے مطالعہ میں کوئی ایسی شخصیت نہیں ملی جس نے یہاں اختلاف کیا ہو، سوائے حضرت الاستاذ کے۔

مسلک دیوبند کا مصداق کیا ہے؟

اب ذرا سمجھ لیا جائے کہ دیوبندیت کیا ہے؟ اسے سمجھنے کے لئے پہلے ہمیں ہمارے بڑوں ہی کی باتوں پر غور کرنا چاہئے، تو ملاحظہ کیجئے:

☆ علوم قاسمیہ کے حقیقی وارث وترجمان حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند ''علماء دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج''میں ارشاد فرماتے ہیں:

علماء دیوبند اپنے دینی رخ اور مسلکی مزاج کے لحاظ سے کلیۃً اہل السنہ والجماعہ ہیں، نہ وہ کوئی نیا فرقہ ہے، نہ نئے عقائد کی کوئی جماعت جسے

وقت اور ماحول نے پیدا کر دیا ہو، اس لئے اس ملک اور بیرون ملک میں
یہی ایک جماعت ہے جس نے اہل سنت والجماعت کے معتقدات اور ان
کے اصول وقوانین کی کما حقہ حفاظت کی اور ان کی تعلیم دی جس سے اہل
سنت والجماعہ کا وجود قائم ہے، جسے مؤسسین دارالعلوم دیوبند نے اس
کے اصلی اور قدیم رنگ کے ساتھ اپنے تلامذہ اور واسطہ بلا واسطہ تربیت
یافتوں کے ذریعہ پھیلایا اور عالمگیر بنا دیا۔

(علماء دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج ص۱۹)

☆ مولانا محمد ادریس صاحبؒ کی کتاب عقائد الاسلام- جسے دارالعلوم دیوبند نے شائع کیا ہے- کے پیش لفظ میں حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں:

''علماء دیوبند جو برصغیر میں اہل السنہ والجماعہ کی نمائندہ جماعت ہے۔''

☆ خود حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے اپنی اس کتاب میں تحریر فرمایا ہے:

دیوبندیت؛ مسلک اہل السنہ والجماعہ کا دوسرا نام ہے، دونوں میں
بقدر انملہ بھی فرق نہیں، دنیا کا ہر وہ مسلمان جو اہل السنہ والجماعہ کے عقائد
پر ہے اور بدعات، رسومات، اور خرافات سے مجتنب ہے وہ دیوبندی
ہے، اگرچہ اس نے دیوبند کا نام بھی نہ سنا ہو، اور جو ان کے طریقے سے ہٹا
ہوا ہے اس کو دیوبند کہنا مشکل ہے، اگرچہ وہ دیوبند میں رہتا ہو، اور
دارالعلوم کے پہلو میں بسا ہوا ہو، بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کوئی نیا

فرقہ ہے، اس کے اصول وعقائد مختلف ہیں، بخدا اس میں کچھ صداقت نہیں۔(جلسۂ تعزیت کا شرعی حکم ص ۳۸)

☆ شیخ الاسلام حضرت الاستاذ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کتاب ''علماء دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج'' کے تعارف میں رقمطراز ہیں:

اہل سنت والجماعت کی کوئی بھی مستند کتاب اٹھا کر دیکھ لیجئے، اس میں جو کچھ لکھا ہوگا وہی علماء دیوبند کے عقائد ہیں۔

(علماء دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج ص ۴)

سوال یہ ہے کہ مسلک دیوبند اصول وعقائد کے مجموعہ کا نام ہے؟ یا فروع وظنی مسائل میں کسی خاص فکر کا نام ہے؟

تو سارے ہی اکابر یہی صراحت کرتے نظر آتے ہیں کہ علماء دیوبند عقائد واصول میں اہل السنہ والجماعہ ہیں، فروع اور ظنیات کے مجموعہ وتشریح کا نام دیوبندیت نہیں۔

دیوبندیت یا مسلک دیوبند بھی انہیں عقائد کو کہا جاتا ہے جو سلف سے متوارث ہیں، مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کی اولاد وشاگرد بھی اسی مسلک کے محافظ اور ترجمان رہے، ان کے بعد جب ہندوستان میں زرخرید غلاموں نام کے کچھ مسلمانوں نے اسلام وعقیدہ میں مسلمانوں کو ورغلانے کی کوششیں اور سازشیں کیں تو مسلک حق کی یا مذاہب حقہ کی نمائندہ جماعت ''علماء دیوبند'' کی ہی تھی، جس میں وہ مضبوطی سے ڈٹے رہے، اباطیل واہل باطل کا قلع قمع کیا، اسی لئے اہل حق کو تعبیر کرنے کے لئے ہم دیوبندیت سے تعبیر کرتے ہیں کہ اخیر زمانے میں بس یہی جماعت دین وعقیدہ کی حدود کی پاسبان رہی۔

غلط فہمی کہاں ہوئی

اب یہاں ذرا رک کر یہ سمجھنا از بس ضروری ہے کہ جب ہم مسلک دارالعلوم دیوبند کہتے ہیں تو کیا مراد ہوتا ہے؟ عقائد وقطعیات یا فروع وظنیات؟

اختلاف کی اس تقسیم کو یا اس کے محل کو نہ سمجھنے کی بنیاد پر یہ ورطہ پیش آنا یقینی ہے، تو بلا شبہ مسلک دیوبند سے عقائد وقطعیات ہی مراد ہوتے ہیں، علماء دیوبند کے عقائد ہی ہیں جو اہل السنہ والجماعہ کی مکمل ترجمانی کرتے ہیں، خانوادہ ولی اللہی کے بعد دوسری کوئی جماعت برصغیر پر موجود تھی اور نہ ہے جو اہل السنہ کے اصول وعقائد کو پیش کرنے والی ہو، البتہ افکار کے مجموعہ کو تعبیر کرنے کے لئے ''مسلک'' کا لفظ منتخب ہوا، وہ بھی کسی خاص پس منظر میں نہیں، بلکہ صرف اتفاقی، ورنہ مسلک تو اردو میں عام طور پر فروعی مسائل کے لئے بولا جاتا ہے۔

یہی وہ جگہ ہے جو علماء تک کی الجھنوں کا سبب بنی ہوئی ہے، اسی طرح جو خود کو اہل دانش سمجھتے ہیں وہ لفظ ''مسلک'' دیکھ کر اسے عقائد سے ہلکا سمجھ کر نا قابل التفات بتاتے پھرتے ہیں، حتیٰ کہ حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم بھی اس ورطہ سے محفوظ نہ رہ سکے اور مسلک کے غالب استعمال اور عام معنیٰ میں فرق سے خطا کر گئے، وہ تفریط کا شکار ہوئے تو یہ افراط کا، فرماتے ہیں:

> (بنگلور کی ایک کانفرنس میں) حضرت مولانا اشرف علی باقوی قاسمی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی رحمہ اللہ نے تقریریں کیں کہ دین منزل من اللہ ہے، مسلک منزل من اللہ نہیں، اور جس چیز میں انسانی اجتہاد کا دخل ہو، وہ قابل ترجیح تو ہوسکتی ہے، قابل تبلیغ نہیں،

......میں نے دونوں حضرات کی موجودگی میں ان کی تقریروں کا رد کیا......

پس متعین طور پر مسلمانوں کو اہل السنہ والجماعہ کی راہ پر چلنا چاہئے، دوسرے دھرموں سے اور گمراہ فرقوں کی راہوں سے بچنا چاہئے، تہتر فرقوں والی حدیث میں بھی یہی مضمون ہے، اور اجتہاد کا دخل فروعات میں ہوتا ہے، اصول میں نہیں ہوتا، اسی لئے چاروں فقہی مکاتب فکر کو برحق مانا جاتا ہے۔ پھر میں نے کہا کہ اگر اہل السنہ والجماعہ کے مسلک کی دعوت نہیں دی جائے گی اور گمراہ فرقوں کی گمراہی نہیں کھولی جائے گی اور سبھی فرقوں کو صحیح مان لیا جائے تو گمراہی پھیلتی رہے گی، اور اہل حق سمٹے چلے جائیں گے۔ (جلسہ تعزیت کا شرعی حکم ص ۷۷و۷۸)

بغور پڑھنے والے خود ادراک کر سکتے ہیں کہ یہاں لائق تردید کوئی بات کہی ہی نہیں گئی کہ حضرت الاستاذ ان دونوں ہی اکابر کا رد کریں، چلئے مختصر سی وضاحت کر دی جائے۔

حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی اور مولانا اشرف علی باقوی قاسمی رحمہا الرحمن نے فرمایا: ''جس چیز میں انسانی اجتہاد کا دخل ہو وہ قابل ترجیح تو ہوسکتی ہے، قابل تبلیغ نہیں۔''

حضرت الاستاذ مفتی سعید صاحب فرماتے ہیں: ''اجتہاد کا دخل فروعات میں ہوتا ہے، اصول میں نہیں ہوتا۔''

ملاحظہ فرمائیں، سب ایک ہی بات کہہ رہے ہیں، وہ دونوں حضرات فرما رہے ہیں: ''جس چیز میں انسانی اجتہاد کا دخل ہو وہ قابل ترجیح تو ہوسکتی ہے''، یعنی یہ حکم ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ حکم ہے کس کا؟

حضرت الاستاذ نے اس کا محل وموقع بیان کیا کہ ''اجتہاد کا دخل فروعات میں ہوتا ہے''

تو ظاہر ہے کہ فروعات کی تبلیغ نہیں۔

''اصول میں اجتہاد نہیں ہوتا'' یہاں اصول کو ہم اوپر بیان کی گئی پہلی قسم، یعنی عقائد، قطعیات وبدیہیات پر محمول کرتے ہیں، تو معنیٰ بالکل فقہاء کے مطابق ہوجاتے ہیں، کہ واقعی اہل السنہ کے عقائد ونظریات میں کسی اجتہاد کی گنجائش نہیں (ایسے عقائد اقل قلیل ہیں جو مجتہد فیہ ہیں، عقائد کی کتب سے معلوم ہوسکتے ہیں، انھیں بس نام سے عقیدہ کہا جاتا ہے، درحقیقت وہ عقیدہ نہیں، جیسے معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا یا نہیں؟ اس میں صحابہ کا اختلاف ہے۔) (نیز اگر قائل کی مراد اصول سے کچھ اور ہے تو اس کو واضح کرنا ضروری تھا۔)

جب فروع میں اجتہاد ہوتا ہے تو اس کی تبلیغ ہے یا نہیں؟ حضرت الاستاذ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔

اس کا جواب وہی ہے جو مولانا محمد سالم صاحب اور مولانا اشرف علی صاحب سمیت تمام علماء واساطین امت کہتے چلے آئے ہیں، کہ فروع میں تبلیغ نہیں۔

حضرت الاستاذ نے یہاں لفظ مسلک پر گرفت کرلی اور اس کی اضافت ونسبت سے اعراض کر کے ان دونوں اکابر کا رد کردیا، ان دونوں حضرات نے مسلک سے فقہی مسلک مراد لیا تھا اور حضرت الاستاذ مسلک دیوبند یا مسلک اہل السنہ مراد لیا، جب کہ مسلک فقہی کی تبلیغ جائز نہیں، مسلک اہل السنہ کی تبلیغ جائز ہے۔

افسوسناک پہلو

اس واقعہ میں ایک پہلو نہایت افسوسناک ہے، وہ یہ حضرت الاستاذ جن دونوں

حضرات پر ردفرما رہے ہیں، اس کا واضح سا مطلب یہی ہے ان دونوں کو اس عمر میں بھی مسلک سمجھ میں نہ آیا............انا للہ وانا الیہ راجعون........................ چلئے نہ آیا نہ آیا، بڑے بڑے اکابر سے خطا ہو جاتی ہے................لیکن وہ حضرات اخیر عمر تک اپنی اسی بات کو دہراتے رہے، ہم نے بھی اپنے طالب علمی میں مولانا محمد سالم صاحب کو ہردوئی کے ایک جلسہ میں یہی بات کہتے سنا، یعنی آپ نے ان کا رد تو کر دیا لیکن یہ بھی نہ بتایا کہ انہوں نے اس رد پر کیا ردعمل کیا؟ آپ کی جتنی نسبتیں ہیں، حضرت مولانا محمد سالم صاحب کو اس سے زیادہ نسبتیں حاصل تھیں، اور سب سے بڑی بات دیوبندیت کے مسلم شارح حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ سے ان کو تربیت حاصل تھی، علم وفکر کا تعلق صرف کتابوں اور اوراق سے نہیں، بلکہ علم وفکر اصلاً تو تربیت سے ہی پروان چڑھتے ہیں، تو کیوں صرف آنمخدوم کا فہم معتبر اور ان کا غیر معتبر ہو گیا؟

اس معروض کا مقصد یہ تھا کہ اتنے اہم مسئلہ میں ان حضرات کا رد کیا جا رہا تھا تو ضرورت اپنی شخصیت وفہم کے اظہار کی نہیں، بلکہ نہایت مضبوط دلیل کی تھی، وہ کانفرنس ہوئی، ہوگئی، اب کتاب لکھی جارہی تھی، کم از کم اب تو کوئی معقول، مضبوط دلیل و استدلال پیش کیا جاتا، سب غائب ہے، مسئلہ کو دوسرے کے مقابلہ اپنی شخصیت سے سمجھانے کی کوشش ہی جاری ہے، یہ نہ تو اہل علم وتحقیق کا وتیرہ ہے، اور نہ ان کی شان۔

عقائد شخصیات اور واقعات سے نہیں بنتے اور نہ ہی ان کی بیساکھی پر سمجھے سمجھائے جاسکتے ہیں، ان کے لئے صاف صریح نہ ٹلنے والے دلائل چاہئے ہوتے ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ کے افکار آخر تھے کیا؟ تو کتاب کے آخر میں ان کے وعظ کے چند اقتباس درج ہیں جن میں ان کی بات مفصل آجاتی ہے۔

تدبر وغور کی کمی

حضرت الاستاذ نے اگران اکابر کی بات کی تنقیح فرمالی ہوتی تو ضرور اس بات کا تصفیہ ہوجاتا کہ کچھ چھوٹ رہا ہے، تو اسی قافیہ پر عرض ہے: دین منزل من اللہ ہے، عقیدہ مقرر من الرسول (ماانا علیہ واصحابی) ہے، (دونوں کی تبلیغ وتشکیل فرض ولازمی ہے)، مسلک مرجح من المجتہد ہے (اس لئے اس کی تبلیغ نہیں، تعلیم جائز ہے)۔

فکر انگیز سوال نہیں، عظیم مغالطہ

حضرت الاستاذ ''مسلک'' کو عقیدہ سمجھ بیٹھے، اور سیمینار سے پہلے ہی ان کی ساری تحریریں سوشل میڈیا پر وائرل ہوگئی تھیں، اس سے لوگوں میں غلط فہمیوں کا جنم لینا تو یقینی ہی تھا، چنانچہ نا معلوم اسباب یا حضرت والا کی تحریروں کو پڑھ غلط فہمی کا شکار ہونے والے ایک صاحب مولانا احمد سعد قاسمی صاحب تھے جنھیں عقائد وقطعیات اور فروع وظنیات کا فرق نہ سمجھ میں آیا، بس ''مسلک دیوبند'' کو دیکھا، اور سیمینار میں ''مسلک'' (فروع) کو سنا، دونوں کو لفظی اشتراک سے ایک سمجھ بیٹھے، اور سوالات میں سارے مسائل عقائد کے بھر کر پوچھتے ہیں کہ مسلک کی دعوت کیوں نہ دی جائے؟

ان سے کیا شکوہ وہ تو ایک مدرس وعالم ہیں، جب حضرت والا دارالعلوم دیوبند کی مسند حدیث پر تشریف فرما ہوکر اس غلط فہمی کا شکار ہیں تو دوسرے جو کریں کم ہے۔

فکر انگیز سوال یہ ہے کہ ہم نے خود کو اصطلاحات کی اتنی قیدوں میں جکڑ لیا ہے کہ حق وصواب آنکھوں کے سامنے ہوکر اس تک ہماری فہم وعقل نہیں پہنچ رہی؟ فکر انگیز سوال یہ ہے کہ جو رہنمائی کرنے والے تھے وہی غلط فہمی کا شکار کیوں ہیں؟

نئی اصطلاح: اشتباہ مسلک

ایک نئی اصطلاح دیکھنے میں آئی جواب سے پہلے نہ کبھی پڑھی نہ سنی ؛ اشتباہ مسلک، حضرت الاستاذ فرماتے ہیں: ''مسلک کو اشتباہ سے بچانا بھی ضروری ہے۔''

یہاں حضرت والا من تشبہ بقوم حدیث ذکر کر کے فرماتے ہیں:

> اس حدیث کا مقصود تو شعائر دینیہ ہیں، مگر اس حدیث سے یہ بات بھی مفہوم ہوتی ہے کہ مسلک حق کو اشتباہ مسلک سے بچانا بھی ضروری ہے الخ
>
> اسی تہتر فرقوں والی حدیث میں صرف اہل السنہ والجماعہ کو ناجی قرار دیا گیا ہے اور باقی بہتر کو ناری قرار دیا ہے، پس ان میں شمولیت سے بچنا ضروری ہے، مسلک حق پر (اہل السنہ والجماعہ کے معتدل مسلک پر) جو ہوگا وہی ناجی ہوگا، نیز بہتر فرقوں کی مشابہت سے بچنا ضروری ہے، مذکورہ بالا حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے۔
>
> (جلسہ تعزیت کا شرعی حکم ص ۸۲ و ۸۳)

سخت حیرانی ہوئی اسے پڑھ کر، ایک تو حضور نے ایسی نئی اصطلاح ''ایجاد'' فرمائی جو عقائد و علم کلام کی کسی کتاب میں بھی درج نہیں، پھر اس پر دلیل ایسی دی ہے کہ اس کا ترجمۃ الباب سے صدیوں دور کا بھی واسطہ نہیں، مشکل مقامات کی تفہیم میں تو حضرت الاستاذ ضرب المثل ہیں، لیکن نہ جانے کیوں یہاں بس اتنا کہہ کر کہ ''مفہوم ہوتا ہے'' آگے بڑھ گئے، یہ مفہوم کیوں نکلا، کیسے نکلا، کس محدث نے اس مفہوم کا استنباط و تائید کی؟ سب غائب......

جناب والا! پہلے اس ''اشتباہ مسلک'' کی حقیقت و ماہیت بیان فرمائیں، نیز

یہ بھی واضح فرمائیں کہ اسے متکلمین وعلماء عقائد نے کیوں نہیں اختیار کیا، حضرت والا نے تو اس پر کوئی دلیل استدلال نہیں تحریر کیا، شاگردان رشید عقیدت استاذ میں تو نصوص کو کھینچ تان کر سب ثابت کر ہی دیں گے، اور اسے قطعی بنا ہی دیں گے، جس سے شاید پھر کوئی کتاب جمع ہوجائے، لیکن بزبان خود بتائیں کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟

حضرت ! آپ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث ہیں، مولانا سلمان ندوی نہیں، جو اوٹ پٹانگ دلیلیں جمع کریں یا اپنے خیالی ابال کو تحقیقِ حقیق گردانیں۔

من تشبہ بقوم سے اشتباہ مسلک جیسی بے بنیاد بات مفہوم تک نہیں ہوتی، اور اس کے ضروری ہونے کا اثبات تو گدھے کے سر پر سینگ کی دلیل دینا ہے۔

دیگر فِرَق ومکاتب فکر کا دارالعلوم دیوبند نہ آنا ایک انتظامی وانصرامی مسئلہ ہے، عقیدہ کا مسئلہ نہیں، عقیدہ کوئی چھوئی موئی کا پودا نہیں کہ چھو دو تو شرما کر سکڑ جائے، فرق باطلہ کے دارالعلوم میں آنے سے دارالعلوم کا مسلک مشتبہ ہوتا ہے تو کفار کے ساتھ اسٹیج کا اشتراک کرنے والے علماء کا تو ایمان ہی مشتبہ ہوجائے گا، جس طرح کفار سے میل جول ایک سیاسی، ملی اور معاشرتی ضرورت ہے، دیگر فرق سے تعلق و ربط بھی یہی حکم رکھتا ہے، یہ بدرجہ اولیٰ ان سے زیادہ حق دار ہیں کہ ان سے ربط وعلاقہ رکھا جائے، آپ کسی کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دیں نہ دیں، لیکن عقیدہ کو جکڑنے کا ایک نیا قاعدہ تو نہ گھڑیں، جو پہلے سے ہیں، ان کے سبب فرق باطلہ خارج ہوجاتے ہیں، آپ نے جو وضع کیا اس سے اپنے بھی باہر ہوجائیں گے۔

اتنے بڑے مغالطہ کی آپ سے امید نہ تھی

سیمینار میں شرکت کے مسئلہ کو اٹھا کر اول دن سے مسلک کی دہائی دی گئی، اور

یہی باور کرانے کی کوشش فرمائی کہ یہ دیو بندیت اور اہل السنہ کے خلاف ہے، جب یہ مسئلہ چلایا گیا تب بھی اور اب جب کہ آنخضور نے فرصت سے اس پر خامہ فرسائی کی تب بھی یہ صاف نہیں کیا سیمینار وجلسہ تعزیت کا مسلک دیو بند (عقیدہ اہل السنہ) سے کیسا اور کتنا تعلق ہے؟

درحقیقت یہ تنہا نکتہ ہے جس نے راقم السطور کو مجبور کیا، بقیہ باتیں تو استطراداً آ گئیں، لیکن محرک اعظم یہی بات رہی۔

تنقیح کی جائے تو یہاں دو الگ الگ مسئلے ہیں:

پہلا یہ کہ جلسہ تعزیت کا شرعی حکم کیا ہے؟ اور پھر اس حیثیت سے اس کا عقیدہ (مسلک دیو بند) میں کیا درجہ ومرتبہ ہے؟

جلسہ تعزیت ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے، اگر چہ اکثر کی رائے ممانعت کی ہے، لیکن اہل تحقیق وفتویٰ جواز کے قائلین بھی موجود ہیں، بدعت وہ کہلاتی ہے جسے اہل تحقیق متفق علیہ طور پر بدعت کہیں، قائلین کی تعداد کے قلیل وکثیر کا مسئلہ کے حق وصواب سے تعلق نہیں، (ہاں قائل کا محقق ہونا ضروری ہے)، شارح دیو بندیت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

> اختلاف کی قسم ششم کے بیان میں؛ یعنی جو اختلاف ایسے امر دینی میں ہو جو اصول میں سے ہے اور سنت وبدعت کے درجہ میں ہے، الخ

آگے فائدہ کے تحت فرماتے ہیں:

> بدعت سے مراد وہ بدعت ہے جو باتفاق اہل حق بدعت ہے اور جس میں اہل حق کے اجتہاد کی گنجائش ہے ہو وہ مثل مسائل مختلف فیہا کے

ہے، جن کا حکم فصل سوم میں مذکور ہوا۔ (بوادرالنوادر ۶۷۶)

فصل سوم میں مذکور ہے:

اختلاف کی قسم سوم کے بیان میں یعنی جو اختلاف ایسے امر دینی میں ہو جو فروع میں سے ہے اور دلیل سے ہو خواہ دلیل نص ہو یا اپنا اجتہاد ہو یا اپنے کسی متبوع صالح للمتبوعیۃ کا اجتہاد یا فتوی ہو اور یہی ہے وہ اختلاف جو امت مرحومہ کی جماعت حقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے عہد مبارک سے اس وقت تک چلا آ رہا ہے۔ الخ

اس اختلاف کا حکم یہ ہے کہ یہ باتفاق واجماع محمود ومقبول ہے۔ الخ

اور اس اختلاف کا ایک یہ بھی حکم ہے کہ جب یہ محمود ومقبول ہے تو اس میں ایک کا دوسرے سے عداوت کرنا اور کسی کی تضلیل وتفسیق کرنا جیسا کہ آج کل غلاۃ میں تحریراً معمول ہے سخت بدعت ومعصیت و تعصب ومخالفت سلف ہے۔ (بوادرالنوادر ۶۷۱ تا ۶۷۴)

جب یہ مسئلہ مختلف فیہ ہوا تو اس کی بنیاد پر عقیدہ ومسلک کی بحث چھیڑ کر کسی پر بدعت کے ارتکاب یا اس میں تساہل برتنے کا الزام نہایت قبیح ہوا، فقہاء اسلام واکابر کا یہ طرز وشیوہ نہیں۔

دوسری بات جو اس سے بھی زیادہ شنیع وافسوسناک ہے، یہ سارا مسلکی جدال جلسہ تعزیت پر بھی نہیں شروع ہوا، بلکہ وہ ایک سیمینار تھا، جو تعزیتی جلسہ سے حقیقت، حیثیت واحکام میں بالکل جداگانہ ہے۔

حضرت الاستاذ نے شخصیاتی سیمینار کو تعزیتی اجلاس پر ''قیاس'' کیا، اور اسی قیاس کے سبب اسے مسلک وعقیدہ کا مسئلہ بنا دیا، فرماتے ہیں:

چونکہ یہ سیمینار وفات سے قریب زمانے میں کیا جارہا تھا، اس لئے اس میں جلسۂ تعزیت کا شائبہ تھا۔ (جلسہ تعزیت کا شرعی حکم ص ۵)

اس رسالہ میں جس سیمینار کی بحث ہے وہ جلسہ تعزیت والا سیمینار ہے، کسی کی وفات کے بعد تین دن کے اندر جلسہ تعزیت یا سیمینار نہیں کیا جاسکتا، سیمینار کے لئے تو بڑی تیاری کرنی پڑتی ہے، لوگوں کو مقالہ لکھنے کے لئے وقت دینا پڑتا ہے، مگر اس میں جلسہ تعزیت کا شائبہ ہوتا ہے، اس لئے اس کا حکم بھی جلسہ تعزیت سے مختلف نہیں ہوسکتا۔

(جلسہ تعزیت کا شرعی حکم ص ۸)

حضرت الاستاذ خود فرماتے ہیں کہ سیمینار بڑی توجہ واہتمام کا طالب ہوتا ہے، اس میں برجستہ تقاریر و فی البدیہ مضامین کافی نہیں ہوتے، جلسہ تعزیت میں تسلی و تعزیت کے مضامین کافی ہوجاتے ہیں، سیمینار میں اس پر اکتفا نہیں ہوسکتی، سیمینار بڑے اہتمام کا متقاضی ہوتا ہے، اس میں لوگ باقاعدہ تیاریوں سے سوانحی مواد اکٹھا کرکے آتے ہیں، دونوں کو ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں، حضرت والا نے فارق تو خود بیان فرمادیا، پھر قیاس مع الفارق بھی کرتے ہیں۔ فیاللعجب

مزید کرم اس مسئلہ پر حضرت کی طرف سے یہ ہوا کہ ہے کہ تعزیتی اجلاس -بالفرض اگر بدعت وحرام ہو- تو بھی اس کی علت سیمینار میں پائی جاتی ہے یا نہیں؟ اس کی کوئی تحقیق انیق حضرت الاستاذ نے درج نہیں فرمائی، جلسہ تعزیت کی علت سیمینار میں تحقیقی طور پر موجود ہے یا نہیں؟ اس کا کوئی ذکر ہے یا کوئی تحقیق......بس:

''میں اس کو نوحہ ہی کی شکل سمجھ رہا ہوں۔''

حضرت ایسے بے تحقیق وغیر مدلل مسائل تو مجتہدین کے بھی نا قابل التفات ہوتے ہیں، پھر آپ نے کیوں کسی کو ان مسائل سے بدعقیدہ ہونے کا حکم لگا دیا؟

مزید آگے بڑھ کر!

اگر جلسہ تعزیت - جو خود حرمت میں منصوص نہیں، بلکہ منصوص پر قیاس شدہ ہے- کی علت سیمینار میں پائی بھی جائے تب بھی وہ مسئلہ قیاسی ہوگا، اصول فقہ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ قیاسی امور قطعی نہیں ہوا کرتے، اس کی مخالفت باطل نہیں ہوجاتی، یہ مجتہد ومحقق کے نزدیک زیادہ سے زیادہ صواب وراجح ہوتے ہیں، اور خطا کے محتمل بھی، قیاس کے پہلو سے ایک نہیں دوہری دفعہ سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ مسئلہ ایک مجتہد فیہ ہے، اس میں عقیدہ بننے کی کوئی صلاحیت نہیں، اس میں قیاس واشتراک علت کا دخل ہے، یہ ظنی وفروعی مسئلہ ہے، جو عقیدہ کے باب میں مفید نہیں۔

علامہ ابن نجیم تصریح فرماتے ہیں:

اختلاف المفتيين كاختلاف المجتهدين. (البحرالرائق ۶/ ۲۶۷)

یہاں مفتی سے مراد محقق ہے، ناقل فتویٰ نہیں، معلوم ہوا کہ مجتہد و مقلد کے درمیان اور مراتب ہیں، جن میں سے ایک محقق بھی ہے، اسی کو علامہ نے ''مفتی'' سے تعبیر کیا ہے۔ (''تعزیتی اجلاس کی شرعی حیثیت'' کے مرتب نے حضرت حکیم الامت کی ایک اجمالی عبارت کو بار بار دہرا کر یہ مغالطہ دیا ہے کہ آج کل کے مفتیان کا اختلاف کسی درجہ بھی مقبول نہیں، بدعتِ محض ہے، یہ عقلاً تو مخدوش ہے ہی، ابن نجیم کی مذکورہ عبارت کی روشنی میں بالکل مردود ہے، حضرت تھانویؒ کی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ مفتی محقق نہ ہو، یا ہے تو محقق، لیکن اس خاص مسئلہ میں اس نے تحقیق کے شرائط پوری نہ کی ہوں۔ واللہ اعلم)

پورے قضیہ کا سب سے المناک پہلو یہی تھا کہ ایک اختلافی مسئلہ پر قیاس کر کے معاملہ کو عقیدہ ومسلک کا میدان جنگ بنادیا گیا، اس وقت جو تکلیف ہونی تھی ہوئی، کتاب میں دلائل ومستدلات سے اعراض دیکھ کر مزید ہوئی۔

ایک اور انوکھا اجتہاد

اس قیاس کا دائرہ مزید وسیع کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جیسے غیر معروف شخص کی موت کی خبر ٹی وی یا ریڈیو اور اخبار میں نشر کرنا نوحہ ہی کی ایک شکل ہے۔ (حاشیہ ص ۱۳)

ابھی تک تو جلسہ وسیمینار نوحہ تھے، اب وفات کی خبر دینا ہی بھی نوحہ بن گیا، وہ تمام رسائل (ماہناموں سے لے کر سالانہ تک) جن میں وفات کی اطلاع دی جاتی ہیں سب کے سب نوحہ کرنے والے بدعتی بن گئے، اور ہمارے اہل حق کے یہاں سے جو رسائل نکلتے ہیں الا ماشاءاللہ ہیں جن میں یہ معمول نہیں، ورنہ عموما سب میں یہ معمول ہے۔

جب یہ تمام رسائل کے شائع کرنے والے غیر دیوبندی ہو گئے، پڑھنے والے دیوبندی نہ رہے، چھاپنے والے دیوبندی نہ رہے، اس میں تعاون کرنے والے دیوبندی نہ رہے، تو دیوبندی بچا کون؟

نوحہ کسے کہتے ہیں؟ اس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے علامہ عبدالحمید شروانی تحریر فرماتے ہیں:

(ویحرم النوح ولو من غير بكاء وهو رفع الصوت بالندب)فالنوح مركب من شيئين رفع الصوت والندب فان فقد أحدهما فلاحرمة فما يقع الآن من أن بعض الناس يقول :

كان عالما أو كان كريما لاحرمة فيه بل يسن لخبر اذكروا محاسن موتاكم۔(حاشیۃ شروانی علی التحفۃ، ط مصر، ۳/۱۸۰)

تشریح: نوحہ کرنا حرام ہے، اگرچہ بغیر روئے ہو، اور نوحہ کہتے ہیں میت کے اوصاف چیخ چیخ کر بیان کرنا، تو نوحہ کے دو امور کا مجموعہ ہے، ایک آواز بلند کرنا، چیخنا، دوسرے اس کے صفات وفضائل شمار کرانا، اگر ان میں سے کوئی ایک چیز نہ پائی جائے تو نوحہ نہ ہوگا، بغیر چیخے چلائے میت کے اوصاف بیان کرنا جیسا کہ اب لوگ کرتے ہیں کہ وہ عالم تھا، شریف تھا، یہ حرام نہیں، بلکہ یہ تو مسنون ہے، حدیث: **اذکروا محاسن موتاکم** کے سبب۔

یہ مسئلہ ''نعی'' کا ہے نوحہ کا ہے ہی نہیں، اس کی اور نوحہ کی حقیقت اور حکم حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی دامت برکاتہم کی کتاب ''میت پر اظہار غم کے مسائل ودلائل'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

اگر کوئی ایسا ہوتا جس کا دارالعلوم سے انتساب نہیں تو نہ ہمیں اس کی بات پر کان دھرنا تھا، نہ اس کا جائزہ لینے میں دلچسپی، دارالعلوم دیوبند سے انتساب کرتے ہوئے ایسی باتیں لکھنا جن کا علم سے واسطہ نہیں، پھر ان پر زبردستی مسلکِ دیوبند کی عبا چڑھانے کی کوشش یقینا دارالعلوم کے لئے ایک عار کی بات ہوگی۔

سیمینار میں عدم شرکت کے دیگر اسباب

(۱) پہلا عذر؛ تصویر کشی:

آنمخدوم کے لئے دیگر اکابر کی طرح یہ ایک معقول عذر ہے کیونکہ دارالعلوم

دیوبند سمیت برصغیر کے متعدد بلکہ بیشتر اہل فتویٰ کی رائے عدم جواز کی ہے،لیکن اہل تحقیق ودیانت کی ایک بڑی جماعت ہے جوڈیجیٹل تصویر کوعلی وجہ البصیرۃ جائز کہتے ہے،اوروہ عقیدہ میں بھی اہل السنہ والجماعہ کے پختہ پیرو بلکہ رہنما ہیں۔

ڈیجیٹل تصویر ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے، دیگر اساتذہ نے بھی اس سیمینار میں شرکت کی، اوراپنے عندیہ کے مطابق انھوں نے تصویر کے لئے منتظمہ اجلاس سے ممانعت کردی تھی، ، ان کے علاوہ جن کے نزدیک اس مسئلہ میں گنجائش ہے، یا وہ مجوزین کےفتویٰ پرعامل ہیں تواس میں کون سی فقہی یاعقیدگی بدعنوانی ہوئی ؟

کیاڈیجیٹل تصویر والے دیوبندیت سے خارج ہیں؟

اگر یہ وجہ مانع تھی تومسلک کابکھیڑا کیوں برپا کیا گیا؟

ایک فتویٰ اس کابھی صحیح ......

حضرت الاستاذتحریرفرماتے ہیں:

اورسیمینار میں فوٹو گرافی بھی ہوئی...... الی قولہ......مگر ملت کے اکابر اپنے دارالافتاء کےفتووں کے خلاف ورزی کرتے ہیں، یہ بات دین کی بےقدری کا سبب ہے۔(جلسہ تعزیت کاشرعی حکم ص۶۹)

واقعی !اگر یہ دین کی بےقدری کا سبب ہےتومسئلہ امریکہ میں جاکر بدلنانہیں چاہئے،اوراگرامریکی ویڈیوز کی کوئی تاویل ہےتو ہم اکابرین دارالعلوم کے لئے بھی آپ کےخلاف وہی تاویل کرتے ہیں،فماھو تاویلکم فھو تاویلنا۔

(۲)دوسراعذر؛اشتباہ مسلک:

یہ اشتباہ مسلک جوعقیدہ وفکر کے باب میں حضرت الاستاذ کی وضع فرمودہ ایک

جدید اصطلاح ہے، جس کے سبب حضرت والا نے سیمینار میں شرکت نہ فرمائی، ہم سمجھتے تھے کہ اصطلاحیں گھڑنا نظام الدین کے حضرت حریص امارت کی عادت ہے، استخلاص، خروج، ہجرت وغیرہ وغیرہ، وہ پہلے اصطلاح وضع کرتے ہیں، پھر اس کے ناجائز وجود پر کھینچ تان کر پاکیزہ نصوص کو فٹ کرتے ہیں، یہاں معاملہ بھی کچھ اس سے مختلف نہیں، جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ دارالعلوم دیوبند میں دوسرے مکاتب فکر کو مدعو نہ کیا جانا محض ایک انتظامی وانصرامی کارروائی ہے، اگر یہ انتظامی مسئلہ نہیں، اور اس سے عقیدہ مشتبہ ہوجاتا ہے تو جمعیت اور اسی طرح دیگر بہت سی دیگر تنظیمیں دوسرے مکاتب فکر کے لوگوں کو مدعو کرتے ہیں وہ کیوں مشتبہ العقیدہ نہیں؟

جمعیت کو بھی چھوڑ یئے! سابق مفتی اعظم ہندوپاک حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب نوراللہ مرقدہ کا ایک وعظ شائع ہے، اور دستیاب بھی ہے، جس کا نام وعنوان ہے: وحدت امت، جو غیر مقلدین کے ایک جامعہ میں کیا گیا وعظ ہے، اس کے مشتملات تو کسی تاویل سے بھی مخدوش نہیں کئے جاسکتے، پھر ان پر کیوں نہیں رائے دیتے کہ وہ بھی مشتبہ المسلک شخصیت تھے؟

جب کہ مکمل بیان کسی سیاسی یا ملی پس منظر میں نہیں، بلکہ اسلام ومسلمانوں کی احوال پر ہی مبنی ہے، کیا وہ حضرت مفتی اعظم بھی ایسی بھولے بسرے شخص تھے کہ عقیدہ وفکر کے دقائق سے بے خبر ہوکر کچھ بھی کرگذرے۔

اللہ جانے کیوں علماء اہلسنت ومتکلمین نے ہم سے خیانت کی کہ ایک اتنی اہم اصطلاح کو صیغہ راز رکھا، اور آج اس سے پردہ فاش کیا جارہا ہے۔

کیا ہوگا جب دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث کی جانب سے لوگ ایسی باتوں

کونقل کریں گے جس کی کوئی دلیل ہے نہ سلف سے کوئی ثبوت۔

اجلاس کے مقالوں میں غلو

صفحہ ۶۹ پر حضرت رقمطراز ہیں:

پھر اجلاس میں جو مقالے پڑھے گئے ان میں مدح میں غلو سے کام لیا گیا، کسی نے ممدوح کو تصوف میں امام غزالیؒ سے فائق ثابت کیا، اور کسی نے حدیث میں حافظ ابن حجر سے بازی لے جانے والا کہا۔

(جلسہ تعزیت کا شرعی حکم)

حضرت یہ بے حوالے باتیں، سنی سنائی باتیں لکھنا آپ کی شان ہو نہ ہو، دارالعلوم دیوبند کے محدث وشیخ الحدیث کو ہرگز نہیں زیب دیتا، ان سب باتوں کا کوئی حوالہ کیوں نہیں دیتے، کسی تحریر کا، کسی شخص کا، مسئلہ مسلک کا ہی ہے یا کچھ اور بھی؟

اچھا اگر مولانا محمد سالم صاحبؒ ابن حجر وغزالی سے سبقت لے بھی گئے تو کیا غلو ہے؟ یہ ناممکن ہے؟ علماء نے غلو ان باتوں کو لکھا ہے جو ناممکن ہو، لیکن یہ تو تعبیر ہوتی ہے کہ کسی کا شغف حدیث بتانا ہے تو ابن حجر سے تشبیہ دی، اور ذوق تصوف بیان کرنا ہے تو غزالی سے مماثلت کردی، کیا تشبیہ استعارہ وغیرہ سب حرام وبدعت ہو چکے ہیں؟

چلئے ہم نے یہ بھی مان لیا کہ یہ واقعی غلو تھا تو بھی آپ کو کیا فرق پڑتا ہے، جب آپ امام مالک، امام شافعی جیسے اکابر اسلام کو اپنا درس سمجھا سکتے ہیں: امام فلانے کو یہ بات سمجھ میں نہیں آئی، امام فلاں کو اتنی موٹی بات سمجھ میں نہ آئی، جیسی تعبیریں تو ہم نے آنمخدوم کے درس میں اپنے کانوں سے بلا واسطہ سنی ہیں، جب آپ ائمہ مسالک سے زیادہ ذکی وفہیم ہو کر انھیں درس سمجھا سکتے ہیں تو حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ اگر ابن

حجر وغزالی کے درجہ کو پہنچے بھی تو آپ سے کم ہی رہے۔

علمی تلبیس کہیں یا تحقیق سے فرار

حضرت والا نے واٹسپ پر آئی تحریروں کو جمع تو فرمادیا لیکن صرف ان تحریروں کوان کے موافق تھیں، بہت سی تحریریں جید علماء و محققین کی بھی تھیں، ان میں حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی دامت برکاتہم محدث دارالعلوم دیوبند، فقیہ العصر مولانا برہان الدین سنبھلی دامت برکاتہم صاحبان بھی ہیں، ان پر علمی جائزہ و نقد تو کجا ہوتا کسی کا ذکر تک نہیں، اور جو تحریریں مجہول النسب ہیں انھیں اپنی کتاب میں شامل فرمالیا، مولانا حبیب الرحمن اعظمی صاحب کی تحریر سے پیچھا چھڑاتے ہوئے فرماتے ہیں:

> یہ (ان کا رسالہ) مسئلہ سے غیر متعلق ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ (جلسہ تعزیت کا شرعی حکم ص ۸)

اگر مولانا اعظمی صاحب کی تحریر غیر متعلق تھی تو اس پر مولانا امین صاحب مدظلہ کا نقد کیوں کتاب میں شامل کردیا؟

جی علمی تلبیس کہنا حضرت کی شایان شان مجھے بھی نہیں لگتا، لیکن جوانہوں نے کیا اور جو سامنے واضح ہے اسے علمی تلبیس وخیانت اور تحقیق سے فرار کے سوا کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا۔

حضرت والا! مسئلہ جلسہ تعزیت کا نہیں سیمینار کا ہے، اور مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے اپنے رسالہ میں اس پر ایک معقول تبصرہ فرمایا تھا جس کا آپ کے پاس کوئی جواب نہ تھا تو غیر متعلق کہہ کر فرار فرمالیا۔

اورتو اور! اس موقع پر دیو بندیت سے بغض بھرے بیٹھے لوگوں نے بھی خوب چقلسیں لیں، انھیں خوب مذاق اڑانے کا موقع ملا، ایک معاند نے مضمون لکھ مارا ''دیو بندیت بنام شریعت'' نام سن کر ضرور دکھ ہوا اور سوچنے کا مقام ہے کہ جب نام میں اتنا بغض بھرا ہے تو مضمون میں کیا کچھ ہوگا، لیکن جب دارالعلوم کا شیخ الحدیث ایسی بے علمی کی باتیں کرے تو یہ سب تو سننا ہی پڑے گا۔

بہت ساری تحریروں میں جب مسلک دیو بند پر اعتراض کیا گیا تو حضرت والا جو خود ساختہ شارح دیو بندیت بنے ہوئے ہیں، ان کا فریضہ تھا کہ ان کا بھی جواب دیتے، لیکن بس اپنی حمایت بھری تحریروں کے سوا انھیں واٹسپ پر کوئی تحریر ہی نہ ملی۔

علوم قاسمیہ کے حقیقی وارث حضرت مولانا محمد سالم صاحب رحمہ اللہ پر اتہام

دین وعقیدہ کی تبلیغ وتشکیل کی جاتی ہے، مسلکِ فقہی کی تعلیم کی جاتی ہے، تبلیغ نہیں، اگر آپ کا عندیہ اس سے جدا ہے تو اس پر علماء اہلسنت کے اقوال پیش کرنا چاہئے تھے کہ کون کون ہیں جنھیں اشتباہ مسلک نے لامساس بنا کر رکھ دیا۔

نہ بات کی تنقیح، نہ علماء اسلام سے استشہاد، آپ نے براہ راست حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ پر عقیدہ میں جھولدار ہونے کا الزام دھر دیا، کاش یہ حرکت کسی اور کی ہوتی، کیا آپ نے ان کی کسی تحریر وتقریر میں یہ چیز دیکھی کہ جماعت اسلامی و غیر مقلدین اہل حق میں سے ہیں؟ اگر ہے اسے پیش کیوں نہیں کیا؟

اگر دلیل اسے بنایا جارہا ہے جو جلسہ صد سالہ کے موقع پر ان سے مذاکرہ ہوا تھا

(ص ۸۱) تو بھی یہ کوئی دلیل نہیں، اس سے پہلے دو باتیں سمجھ لینا ضروری ہے:

ایک تو یہ کہ اکابر دیو بند کا سلف کی طرح معمول رہا ہے کہ کسی بدفکری پر مشتمل جماعت کی گمراہی یا کفر کے حکم میں وہ تعمیم نہیں کرتے تھے، کہ مثلا جماعت اسلامی گمراہ یا غیر مقلدین گمراہ، بلکہ وہ اس تعبیر کو زیادہ احوط و اسلم سمجھتے کہ: ''جو فلاں فلاں بدعقیدگی رکھے وہ گمراہ یا کافر ہے'' ظاہر ہے کہ اس طریقہ کے راجح ہونے میں کوئی نزاع ہی نہیں، اور جب یہ کہا بھی جاتا ہے کہ جماعت فلانیہ گمراہ ہے وہاں بھی یہی مراد ہوتا ہے کہ اس جماعت کی جو ضلالات ہیں وہ جن میں پائی جائیں ان کے لئے یہ حکم ہے، لیکن اس جماعت سے منسوب عوام کا وہ طبقہ جو اس کی ضلالات پر مطلع ہی نہیں، یا مطلع ہے لیکن حق کے مقابلہ اسے ان کا باطل ہونا معلوم نہیں، ظاہر ہے کہ ایسا شخص مذکورہ حکم میں قطعا شریک نہیں، اہل علم وفتویٰ شیعہ پر فتویٰ کے باوجود کہتے ہیں کہ اگر متشدد نہ ہو تو اس کے احکام میں تخفیف ہے۔

اس کی زندہ مثال دار العلوم دیو بند کا جناب کاندھلوی صاحب کے متعلق تو فتویٰ آیا ہے، لیکن ان کی اقتداء میں جو پوری جماعت ہے اس کے متعلق کوئی بات نہ کہی گئی۔

یہ کوئی زبردستی کا نکتہ نہیں، بلکہ سلف سے لے کر اکابر دیو بند کا معمول ہے، اور آج بھی اہل فتویٰ اسی پر کاربند ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے اکابر نے کبھی حق کہنے اور اقرار کرنے میں کوئی ادنیٰ دقیقہ نہیں اٹھا رکھا، جو حق ہوا علی رؤس الاشہاد اس کا اعلان کیا، اب کسی کا عقیدہ اس سے مشتبہ ہوئے تو ہو جائے، لیجئے، علامہ کشمیری اور حکیم الامت جیسے دیو بندی لوگ بھی مشتبہ الفکر ہوتے دکھائی دیتے ہیں، ملاحظہ ہو انھیں کے کلام سے:

ترک تقلید پر قیامت میں مواخذہ تو نہ ہوگا کیونکہ کسی قطعی کی

مخالفت نہیں، مگر بے برکتی اس میں یقینی ہے۔

(اجتہاد وتقلید کا آخری فیصلہ ۱۵۷، بحوالہ حسن العزیز)

اسی طرح اس مقلد کو اجازت نہیں کہ ایسے شخص کو برا کہے جس نے بعذر مذکور اس مسئلہ میں تقلید ترک کردی ہے کیونکہ ان کا یہ اختلاف ایسا ہے کہ جو سلف سے چلا آیا ہے، جس کے باب میں علماء نے فرمایا ہے کہ اپنا مذہب ظنا صواب محتمل خطا اور دوسرا مذہب ظنا خطا محتمل صواب ہے، جس سے یہ شبہ بھی دفع ہوجاتا ہے کہ جب سب حق ہیں تو ایک ہی پر عمل کیوں کیا جائے، پس جب دوسرے میں بھی احتمال صواب ہے تو اس میں کسی کی تضلیل یا تفسیق یا بدعتی وہابی کا لقب دینا اور باہم حسد وبغض وعناد ونزاع وغیبت وسب وشتم وطعن ولعن کا شیوہ اختیار کرنا جو قطعا حرام ہیں کس طرح جائز ہوگا؟ (اجتہاد وتقلید کا آخری فیصلہ ۲۱۷)

غیر مقلدین کے اہل سنت میں داخل ہونے کے متعلق سوال تھا:

.... ہاں نفس وجوب تقلید شخصی کے انکار سے اہل سنت سے خارج نہیں ہوتے کیونکہ ہمیشہ سے مختلف فیہ رہا ہے، چنانچہ بعض محدثین بھی اس کے عدم وجوب کے قائل ہیں۔

(اجتہاد وتقلید کا آخری فیصلہ ۳۵۰، بحوالہ دعوات عبدیت)

علامہ کشمیری کا مذاہب اربعہ میں حق منحصر ہونے سے انکار؟

وبالجملة الآن مصداق الحديث (ماانا عليه واصحابى)

اتباع المذهب الاربعة والظاهرى وطريق معرفة ما انا عليه

اصحابی و توارث السلف و تعاملهم واذا اختلفوا فی شئی فالحق الی الطرفین. (العرف الشذی ۴/۱۲۶، تراث العربی)

ان دونوں ہی اکابر کی مذکورہ عبارات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے، تقلید کوئی بہت بڑا مسئلہ نہیں، کم از کم اتنا تو ہرگز نہیں اس کے سبب اہل السنہ والجماعہ سے کسی کا اخراج کیا جائے، حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ پر آپ نے جو الزام لگایا ہے، وہ ان سے پہلے ان اکابر وجہابذہ پر بھی لگائیں کہ بدعقیدہ نہ سہی، یہ لوگ کم از کم مشتبہ المسلک ضرور تھے؟ جن کی تحریر موجود ہے ان پر حکم نہیں، اور جن کی تحریر ہے نہ تقریر، ان پر الزام؟

اس کے لئے کسی تقریر و تحریر کی ضرورت تک نہ سمجھی، ہم نے حضرت مولانا رحمہ اللہ کے قریبی لوگوں سے اس نظریہ کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ لکھنا تو در کنار ان سے ایسا کبھی سنا تک نہ گیا، ان کی دعوت ملی و ملکی مسائل کے بارے میں تھی کہ سب متحد ہو کر صف آراء ہوں۔

کاش یہ الزام لگانے والے آپ نہ ہوتے، دارالعلوم دیوبند کا سب سے بڑا تعلیمی عہدہ- شیخ الحدیث وصدر المدرسین - پر فائز شخص ایسی حرکت کرے تو ضرور دارالعلوم دیوبند کے وقار کو بڑی ٹھیس پہنچے گی، بالیقین مفتی صاحب قابل احترام ہیں، لیکن دارالعلوم......اس نے ایسے بہت سے پیدا کئے ہیں اور پیدا کر رہا ہے، کوئی خود پسندی و کبر کے ہمالیہ پر بیٹھا ہوا اور اسے نہ نظر آئے تو کوئی کیا کرے۔

حضرت الاستاذ جس تضاد فکری و بیانی میں غلطاں و پیچاں ہیں اس کا اندازہ لگانے میں قاری کو زیادہ دیر نہیں لگے گی، ایک طرف سے بلا سوچے سمجھے الزام سر دھر دیا کہ:

”ان کے نظریے میں دو جماعتیں (جماعت اسلامی وغیر مقلد) خاص طور پر اہل حق میں سے تھیں، اور اسی خیال کے پیش نظر اس سیمینار

میں ان جماعتوں کو دعوت دی گئی تھی۔'' (جلسہ تعزیت کا شرعی حکم ص ۷)

اچھا! کسی کو اپنے گھر دعوت دینا مطلق دلیل تصویب وتائید بن گیا؟ واہ صاحب واہ

اچھا اگر تصویب بن گیا تو پھر یہ کیا ہے؟:

اس وقت دارالعلوم دیوبند میں حضرت مدنی قدس سرہ نے ان اساتذہ سے جو مودودی صاحب کی ایک کتاب ہے ''معراج کی رات'' اس کا رد مولانا سالم صاحبؒ سے لکھوایا جس کا نام ''حقیقت معراج'' ہے، اسے ادارہ نشر اشاعت دارالعلوم دیوبند نے شائع کیا۔

(جلسہ تعزیت کا شرعی حکم ص ۸۰)

مخدوم من! آپ کو کیا ہوا ہے؟ ابھی کہتے ہیں کہ وہ جماعت اسلامی کو اہل حق سمجھتے تھے، پھر خود اقرار واعتراف ہے کہ جناب مودودی کا رد لکھا، جب حق سمجھتے تھے تو رد کیوں لکھا؟...... یہ دونوں باتیں یکجا نہیں ہوسکتیں، قاری کتاب ضرور آپ سے پوچھے گا کہ آپ نے یہ تضاد بیانی کیوں کی، خیر یا تو آپ اس کا جواب خود دے دیں، یا پھر دونوں میں سے ایک عبارت کو اگلی اشاعت میں نکلوا دیں، حق واضح ہو نہ ہو، آپ پر اور آپ کے واسطے سے دارالعلوم کے محدث پر الزامی تراشی کا الزام تو نہ لگے گا۔

نیز یہ بات بھی شرکاء سیمینار سے معلوم ہوئی کہ ان کی یہ کتاب -حقیقت معراج- سیمینار کے موقع پر بشکل PDF تقسیم بھی کی گئی تھی۔

فکری حیرانگی و پریشان حالی

پہلے تو حضرت الاستاذ نے مسلک کی دعوت ترک کرنے پر نکیر کردی، اور ان اکابر پر ان کے سامنے ہی رد کردیا:

(بنگلور کی ایک کانفرنس میں) حضرت مولانا اشرف علی باقوی قاسمی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی رحمہ اللہ نے تقریریں کیں کہ دین منزل من اللہ ہے، مسلک منزل من اللہ نہیں، اور جس چیز میں انسانی اجتہاد کا دخل ہو، وہ قابل ترجیح تو ہوسکتی ہے، قابل تبلیغ نہیں، .... میں نے دونوں حضرات کی موجودگی میں ان کی تقریروں کا رد کیا الخ (جلسہ تعزیت کا شرعی حکم ص ۷۷)

پھر اللہ جانے کون سا انکشاف ہوا کہ اسی دعوتِ مسلک سے دستبردار ہو گئے، قارئین ملاحظہ فرمائیں:

(حیدرآباد میں جماعت اسلامی کی گمراہی بیان کی اس پر کچھ لوگ اختلاف کا ڈھنڈورا پیٹتے آئے تو حضرت والا نے انھیں جواب دیا:)

اگر میں خاموش رہتا تو نقصان کس کا ہوتا؟ تم تو اپنی گمراہی برابر پھیلاتے رہتے، اور بے خبر مسلمان تمہاری جال میں پھنستے رہتے، اس طرح اہل حق کی تعداد گھٹتی جاتی، پس ہم مسلک حق کی دعوت نہیں دیتے، اس کی حفاظت کرتے ہیں، دعوت تو آپ حضرات دیتے ہیں۔

(جلسہ تعزیت کا شرعی حکم ص ۸۶)

بہت خوب! ابھی تو مسلک کی دعوت نہ دینے پر برملا رد فرما رہے تھے، کچھ ہی دیر میں فرماتے ہیں کہ ہم مسلک کی دعوت نہیں دیتے؟

اپنی جماعت کے اکابر کا ان کے منھ پر رد کر دیا، اور جب غیر سامنے آئے تو بات ہی بدل دی......آخر ماجرا کیا ہے؟

ہر بات کا نتیجہ نکالنا ہمارے لئے ضروری نہیں، کتاب کے مشتملات و مواد کا جائزہ ضروری ہے تا کہ قاری عقیدت کے پردے سے نکل کر تحقیق کا دامن تھامے۔

آپ خود ہی بتادیں کہ دھوکا دے رہے ہیں یا دھوکا کھا رہے ہیں؟

یہ سارا تماشہ آپ نے اس لئے کھڑا کیا کہ یہ مسلک دیوبند کے خلاف ہو رہا ہے، اہل السنہ والجماعہ کے مسلک کا جنازہ نکل رہا ہے، دارالعلوم دیوبند وقف والے یا فلاں وفلاں شرکاء سیمینار بد مسلکی کا شکار ہیں، جب مسئلہ اٹھایا، خط وکتابت ہوئی، وہاں بھی یہی نکتہ رکھا کہ دیوبندیت کے مخالف ومعارض عمل ہے، سیمینار میں ترک شرکت کے جو اسباب آپ نے اب تک چھپار کھے تھے وہ بھی ظاہر فرمائے تو یہ:

> نیز میرے علم میں یہ بات بھی آئی تھی کہ دو ایسی جماعتوں کے اکابر کو بھی دعوت دی گئی تھی جو دارالعلوم دیوبند کے فتوے کی رو سے اہل حق اور اہل السنہ میں سے نہیں ہیں، اب اگر دارالعلوم کے اکابر دارالعلوم وقف کے سیمینار میں ان کے ہم مجلس ہوں گے تو مسلک مشتبہ ہوگا، الخ
>
> حضرت اقدس مولانا محمد سالم صاحب قدس سرہ یہ بات کہا کرتے تھے کہ ''دعوت دین کی دی جائے مسلک کی نہ دی جائے'' ان کے نظریے میں دو جماعتیں خاص طور پر اہل حق میں سے تھیں، اور اسی خیال کے پیش نظر اس سیمینار میں ان جماعتوں کو دعوت دی گئی تھی، اس وجہ سے بھی میں اس سیمینار میں شرکت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ (جلسہ تعزیت کا شرعی حکم ص ۷)

اس کتاب میں بھی آپ نے گہار لگائی تو اس میں مسلک واشتباہ مسلک کے سوا کچھ کہنے لکھنے کو نہ ملا۔

غرضیکہ اول دن سے تصنیف کتاب تک آپ نے ''مسلک دیوبند'' کو ہی بیساکھی بنایا، پھر کتاب میں پوری طرح مسلک مسلک کا ڈرامہ رچایا، شروع سے اخیر تک مسلک دیوبند کا ذکر ہے، اسے معمہ بنانے میں بھی کوئی کسر نہ رکھی گئی، سیمینار میں شرکت کو حق وباطل کا مقابلہ ظاہر کیا، اب تک بات اہل حق، اہل السنہ والجماعہ کی چل

رہی تھی اور انھیں کے اصول وقواعد کا ذکر تذکرہ تھا۔

پھر بلافصل فرماتے ہیں دیکھو ہم مقلد محض ہیں (جنھیں اعمیٰ بنانے کی کوشش کی جارہی ہے) ہم صرف اسی کو حق اور واجب العمل کہتے ہیں جو حنفیوں نے کہا اور لکھا ہے، ان کے علاوہ کی باتیں کر کے مسئلہ کو الجھاؤ نہیں:

نفس تقلید ہی واجب نہیں تقلید شخصی بھی واجب ہے

جاننا چاہئے کہ علمائے دیوبند مسائل میں حنفی ہیں، فقہ حنفی مدون ومرتب ہے، احناف اس کی پیروی کرتے ہیں، اور جس طرح نفس تقلید واجب ہے، تقلید شخصی (معین مکتب فکر کی پیروی) بھی واجب ہے، نصوص (آیات و احادیث) کی شرح میں بھی اس کا لحاظ ضروری ہے، ایک حدیث کا مطلب جو فقہ حنفی میں ہے، وہ احناف کے نزدیک راجح ہے، دوسرے مسالک والوں نے جو شرح کی ہے اس کو لے کر مسئلہ کو الجھانا نہیں چاہئے، ہمارا عمل ہمارے دائرے سے باہر نہیں جانا چاہئے، اور یہ بات از قبیل تصلب (پختگی) فی الدین ہے جو کہ مطلوب شرعی ہے از قبیل تعصب (طرف داری) نہیں ہے۔ واللہ اعلم (جلسہ تعزیت کا شرعی حکم ص ۷)

اللہ ہی جانتا ہے کہ آپ اس آخری عبارت میں دھوکا کھا رہے ہیں یا دھوکا دے رہے ہیں، اس لئے ہمارا سیدھا سا سوال ہے کہ آپ خود ہی کیوں نہیں جواب سے نواز دیتے کہ آپ دھوکا کھا رہے ہیں یا دھوکا دے رہے ہیں؟

یہاں جب ہم مقلد محض بن کر سوال کرتے ہیں کہ ''شخصی سیمینار'' کا بدعت ہونا کون سی حنفی کتاب میں موجود ہے، کوئی صراحت، عبارت ملے گی؟

تو جواب میں ارشاد ہوتا ہے: ''مگر میں اس کو نوحہ ہی کی ایک شکل سمجھ رہا ہوں۔''

ایسا صریح جزئیہ ملنے کے بعد اسے کورانہ تقلید میں ہم نے قبول کرلیا۔

لیکن اگر ایسا ہی ہے تو حنفی کسی مسئلہ کو بدعت قرار دینے میں یا حق کا معیار بننے کے لئے تنہا کافی ہیں اور دیگر تین مسالک سے اہل حق واہل السنہ سے خارج ہی ہو گئے۔

نہیں سمجھ میں آیا!............ارے بھائی! سنو اور سمجھ لو!

ہمارے دو دائرے وسرکل ہیں۔

ایک اہل والسنہ والجماعہ، اہل حق کا دائرہ

اہل السنہ والجماعہ وہ لوگ ہیں جو اتفاق واختلاف میں جماعت صحابہ کرام کے نقش قدم پر ہوں، جو باتیں ان میں مختلف فیہ ہیں اس میں اختلاف کی گنجائش ہے، اور جو ان میں متفق علیہ ہیں ان سے خروج جماعت حق سے خروج ہے۔

اس کی حدود وقیود جمیع اہل حق مل کر طے کرتے ہیں، اہل حق میں کئی جماعتیں آتی ہیں، عقائد کے تین مذاہب؛ مفوضہ (فضلاء حنابلہ یا قدیم سلفیہ یا اثریہ)، اشاعرہ اور ماتریدیہ، مسائل فقہ میں چار مسالک؛ حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ۔

عقائد کی تینوں جماعتوں نے نبی وصحابہ کے عقائد کو محفوظ کیا، اور مسائل کے چاروں مسالک نے نبی وصحابہ کے مسائل کو محفوظ کیا۔

یہ تمام جماعتیں بیک وقت حق کی ترجمان اور اہل السنہ والجماعہ کی نمائندہ ہیں، حق ان میں دائر ہے، ان سے خارج نہیں، جو باتیں ان تمام جماعتوں کے درمیان مسلم اور متفق علیہ ہیں وہی اور صرف وہی باتیں اہل السنہ والجماعہ ہونے کا معیار ہیں، کیونکہ ان کے خلاف جو بھی ہے وہ خلاف حق یعنی باطل ہے، اور جو باتیں ان جماعتوں میں آپس میں اختلافی ہیں ان میں حق وباطل کا اختلاف نہیں، خطا وصواب کا ہے، کسی ایک جانب بھی عمل کرلیا تو عنداللہ بری الذمہ ہے۔

ایک دوسرا دائرہ وسرکل جو اس پہلے دائرے سے کم کم ہے، ایک دوسری تقسیم

کرتا ہے، یہ دوسرا دائرہ اہل السنہ والجماعہ کوفکر وعقیدہ میں متحدرکھ کر، جزئیات وفروع میں طرز استدلال واختلاف فکر کی گنجائش فراہم کرتا ہے، جسے ہم حنفی شافعی مالکی اختلاف کہتے ہیں۔

حنفی فقہ کے اصول وقواعد الگ ہیں، شافعیہ کے اصول وقواعد الگ ہیں، مالکیہ کے طرز استدلال الگ ہے حنابلہ کا الگ، لیکن یہ سب جماعتیں اہل حق، اہل السنہ والجماعہ ہی ہیں۔

ان میں سے کوئی ایک فقہ مثلاً حنفی فقہ یا شافعی فقہ کسی چیز کے بدعت قرار دینے میں مستقل نہیں، مجاز نہیں، حق و باطل کا معیار ٹھہرانے کے لئے فقہ حنفی مستقل تھی اور نہ ہوسکتی ہے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو فقہ حنفی پر عمل نہ کرے وہ بدعتی واہل حق سے خارج ہوگا، جب کہ ایسا نہیں۔

پھر جب مسئلہ مسلک دیوبند، اہل السنہ والجماعہ کا تھا یعنی بڑے دائرے وسرکل کا تو اس میں تقلید شخصی اور حنفیہ کہاں سے آگئے؟

کیا حنفیہ کے سوا تمام فقہیں بدعت ہیں؟

یا حنفیہ کسی چیز کو بدعت کہہ دیں تو وہ بدعت بن کر اہل حق کی حد وقید بن گیا؟

اگر کسی نے دوسری فقہ سے کر مسئلہ کو حل کر لیا تو مسئلہ تو اگر چہ حنفی مسلک میں وہ بات نہیں تھی، لیکن دوسرے اہل حق مذاہب میں تو تھی، پھر وہ اہل حق واہل السنہ والجماعہ سے کیسے خارج ہوجائے گا؟

کوئی ایک فقہ کسی مسئلہ کو بدعت قرار دے تو وہ سب کے نزدیک بدعت ہوجائے، ایسا نہیں، اگر ایسا ہے تو حضرت الاستاذ اس کی دلیل پیش کریں۔

جب ہوگی تو دیں گے، اور حقیقت یہ ہے کہ ایسی کوئی دلیل ہے ہی نہیں کہ ایک فقہ کی مخالفت سے بدعت لازم آجائے، یہ مسئلہ فقہی تلفیق کا نہیں ہے، کسی چیز کے معیار

حق ہونے کا ہے، یہاں دلیل میں ایک مشتبہ المسلک کی عبارت نقل کرتے ہیں، مشتبہوں کے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

بدعت سے مراد وہ بدعت ہے جو باتفاق اہل حق بدعت ہے اور جس میں اہل حق کے اجتہاد کی گنجائش ہے ہو وہ مثل مسائل مختلف فیہا کے ہے۔(بوادرالنوادر ۶۷۶)

جو مسئلہ مجتہدین اور مفتیین کے درمیان مختلف فیہ ہو وہ منکر عملی تک نہیں ہوتا، فکری منکر یا باطل ہونا تو بہت دور کی بات ہے حضرت!............امام ماوردیؒ کا مقولہ امام نوویؒ کے حوالہ سے ہم نے اوپر نقل کر دیا کہ نکیر و نہی اس ''عمل'' سے کی جائے گی جو متفق علیہ منکر و معصیت ہو، اور جس میں مجتہدین کا اختلاف ہے اس میں نکیر نہیں، بلکہ ان میں نکیر کرنا خود منکر عظیم ہے، جب عمل مختلف فیہ میں نکیر جائز نہیں تو اہل حق میں فکر مختلف فیہ کے سبب کوئی اہل حق سے خارج کیونکر ہوسکتا ہے۔

ایک اور دیوبندی سپوت، ترجمان دیوبند، متکلم اسلام، شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحبؒ حدیث افتراق کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

حضور اکرم ﷺ کا فرقہ ناجیہ کی تعریف میں یہ فرمایا: **ماأنا علیه و أصحابی** اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ چیز تمام صحابہ کے درمیان مشترک ہوگی، اور یہ امر بالبداہت معلوم ہے کہ تمام صحابہ کرام میں ایسا امر مشترک جس پر تمام صحابہ متفق ہوں وہ سوائے عقائد کے اور کوئی شے نہیں، عملیات اور فروعی مسائل میں صحابہ کرام کے مابین بھی اختلاف تھا۔

(عقائد اسلام ص ۲۳۷)

تو لیجئے مسلک اہل حق یہ ہے ان میں عقائد متفق علیہ اور مسلم ہیں، عملیات اور فروع میں اختلاف کی مکمل گنجائش ہے، کسی پہلو پر عمل کرنے سے وہ مسلک اہل حق

سے خارج نہیں ہوجاتا، نکتۂ مزید یہ ہے کہ جلسہ تعزیت کا مسئلہ تو عبادت کا مسئلہ بھی نہیں، بلکہ یہ تو عادات کی قبیل سے ہے، یعنی اس میں اورزیادہ گنجائش اختلاف وعمل کی موجود ہے۔

بلفظ دیگر وقصہ مختصر!

جب حق چاروں فقہ ہیں تو حق و باطل کا معیار، سنیت و بدعیت کا مدار یہ چاروں مل کر ہی طے کریں گے، ایک فقہ کے طے کرنے سے کوئی چیز طے نہ ہوگی۔

اب حضرت الاستاذ بتائیں کہ یہ مسئلہ مسلک دیوبند، اہل حق ،اہل السنہ والجماعہ کے نزدیک بدعت ہونے کا ہے؟

یا تین مسالک سے قطع نظر ایک فقہ حنفی ہی کے نزدیک بدعت ہونے کا ہے؟

آپ نے اسے مسلک اہل السنہ میں سمجھا ہے یا مسللک احناف میں؟

آپ نے یہ خلط مبحث کر کے خود دھوکا کھایا ہے یا دوسروں کو دھوکا دیا ہے؟

دارالعلوم دیوبند کا علمی انحطاط

یہ ڈھنڈورا ہم نے اور کسی سے نہیں سنا سوائے حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب سے کہ دارالعلوم پر علمی انحطاط مسلط ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ بناء دارالعلوم سے ماضی قریب تک دارالعلوم دیوبند کو جو علمی جہابذہ اور عباقرہ میسر تھے آج ان کی ٹکر کے لوگ واقعی موجود نہیں، لیکن عام عہد انحطاط اور دور قحط الرجال میں بھی علم سے سیاست، تدریس سے تصنیف، تصوف سے تحقیق، تبلیغ سے رد باطل تک جتنے داخلی وخارجی محاذ ہیں ان میں دارالعلوم دیوبند کا نہ صرف نمائندہ بیٹھا ہے، بلکہ ہر جگہ آج بھی ان کی خدمات نمایاں ہیں۔

ایک کڑوا سچ البتہ یہ ہے کہ جب ہم عقیدہ اور اس کی تشریح کے باب کو دیکھتے

ہیں تو اس میں کام بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر دکھائی دیتا ہے، جو کچھ دکھائی بھی دے ہے تو سب اِس کا اُس کا رد ہی ہے، اور ظاہر ہے کہ اس سے عقیدہ کی تعبیر نہیں معلوم ہوگی، آگے بڑھ کر یہ صورت حال اتنی خراب ہے کہ بعض لوگ تو تشریح عقیدہ کی نام پر ٹھگی کا کام کر رہے ہیں، تفصیل سے شمار کرانے کا یہ موقع نہیں، نمونہ ہم ضرور دکھاتے چلیں۔

حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب شیخ الحدیث دامت برکاتہم کبھی انکار حدیث کرتے ہیں کبھی صحابی کی عقل کا اسکرو ڈھیلا کہتے ہیں، اگرچہ رجوع فرمالیا لیکن دارالعلوم دیوبند اور اس کے شیخ الحدیث کے نام پر یہ کارنامہ تو درج فرمادیا (دیوبند سے بغض رکھنے والے لوگوں نے ابھی قریبی عرصہ میں اس بات کو نکالا تھا تو ہم نے ایک مضمون ''اسکرو ڈھیلا'' کے نام سے ایک مختصر تحریر سوشل میڈیا پر لکھ کر نشر کی تھی، جسے علماء دوستوں نے پسند بھی کیا تھا، لیکن اب بہت ہوا، ہم کب تک صفائی دیں؟)۔

یہ ہزیمت و شرمندگی ابھی ٹلی نہ تھی کہ مزید اور سرآ دھمکی، اور وہ بھی ہمیشہ کی طرح ایسی کہ جس کا مسلک اہل السنہ والجماعہ کے مسلک سے کوئی تعلق نہیں، یعنی حضرت الاستاذ نے اپنے بیانات میں ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہوا ہے، اس کے چہرہ ہاتھ پاؤں پنڈلی بھی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ ہفوات نہ مفوضہ کا مذہب ہے اور نہ ہی مؤولہ (اشاعرہ وماتریدیہ) کا، صرف بلا کیف لگا دینے سے یہ تعبیریں درست نہیں ہوجائیں گی، کیونکہ اگر بلا کیف لگا دینے سے غلط تعبیر درست ہوجاتی تو ''**هو جسم لا كالأجسام**'' یا ''**جسم بلا کیف**'' کہنا بھی درست ہوجاتا، جب کہ متکلمین نے اس کا مکمل ابطال کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ عرش پر بیٹھنا، ہاتھ چہرہ پنڈلی والا ہونا غیر مقلدین کا مذہب، اور ایسا

مذہب ہے کہ وہ خود اس کا برملا اعتراف کرتے ڈرتے ہیں، لیکن دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اسے سالوں سے لکھ کر شائع کرا رہے ہیں، اور دارالافتاء دیوبند نے ان سب باتوں پر مہر تصویب کر کے ان ضلالات کو مسلک دیوبند بھی بنا دیا، اس کتاب میں اس مسئلہ کی طرف صرف اشارہ مقصود ہے، اس کا مستقل تجزیہ اس کتاب میں کرنے کا ارادہ نہیں۔

واقعی دارالعلوم دیوبند کتنے بڑے علمی بحران میں ہے اندازہ کیا جاسکتا ہے، اہل السنہ کے اقوال پر لات مار کر مشبہ مجسمہ اور غیر مقلدین کے اقوال کو دارالعلوم دیوبند کا شیخ الحدیث کہہ رہا ہے اور دارالافتاء دیوبند آمنا و صدقنا کہہ رہا ہے۔

ایک سابق مشتبہ مفتی اعظم ہند بنام خدا کو عرش پر بٹھانے والے نئی دیوبندیت کے شارح موجودہ شیخ الحدیث

دارالعلوم دیوبند کے علمی انحطاط کا اندازہ دارالعلوم دیوبند کے ایک سابق صدر مفتی کے ارشاد اور نظریہ، اور موجودہ شیخ الحدیث کے ملفوظ اور فکر گرامی کے باہمی موازنہ سے بھی ہوسکتا، دارالعلوم دیوبند کے ایک مایہ ناز سپوت، ترجمان دیوبندیت، پروانۂ تھانویت، سابق مفتی اعظم ہندو پاک فقیہ النفس حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کا مقولہ ان کے لائق فرزند شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اپنی کتاب میں تحریر فرمایا ہے:

لا بأس بأن تكون حنفية في مذهبكم الفقهي، ولكن إياكم وأن تتكلفوا بجعل الحديث النبوي حنفياً.

(تکملہ فتح الملہم، کلمۃ المولف، ج ۷، ص ۱۳۱ احیاء التراث العربی)

تم فقہاً ومسلکاً شوق سے حنفی رہو، لیکن خبردار! حدیث پاک (یا کسی نص) کو کھینچ تان کر حنفی بنانے کی کوشش نہ کرنا۔

یہ ہے اصلی دیوبندیت، حق پرستی، اور اصلی حنفیت بھی یہی ہے، آب زر سے لکھی جانے والی اس عبارت کو پڑھنے کے بعد موجودہ انحطاطی دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری کا ارشاد گرامی ملاحظہ فرمائیں:

نصوص (آیات واحادیث) کی شرح میں بھی اس کا لحاظ ضروری ہے، ایک حدیث کا مطلب جو فقہ حنفی میں ہے، وہ احناف کے نزدیک راجح ہے، دوسرے مسالک والوں نے جو شرح کی ہے اس کو لے کر مسئلہ کو الجھانا نہیں چاہئے، ہمارا عمل ہمارے دائرے سے باہر نہیں جانا چاہئے، اور یہ بات از قبیل تصلب (پختگی) فی الدین ہے جو کہ مطلوب شرعی ہے از قبیل تعصب (طرف داری) نہیں ہے۔ واللہ اعلم

(جلسہ تعزیت کا شرعی حکم ص ۷)

نصوص (آیات واحادیث) کی وسعت و جامعیت، عالمگیریت، چاشنی، کمال فصاحت وبلاغت، جوامع الکلم والمحاسن ہونا اور اس سے کما حقہ استفادہ تبھی ممکن ہے جب کہ وہ نص بعینہ اپنی حالت پر چھوڑ اس کے معانی ومفاہیم سے بحث کی جائے، اجتہاد اور اس کی چھوٹی بہن تحقیق عملی طور پر کسی ایک معنی کو طے کر کے واجب العمل کرتے ہیں، لیکن علماً وعقیدۃً اس کے تمام معانی کو معتبریت اور وثوق حاصل ہوتا ہے، لیکن نص کی نسبندی کردینا کہ صرف حنفی مفہوم معتبر اور بقیہ سب کنارے کردو، یہ نص کے ساتھ ظلم ہے، علم وتحقیق کے ساتھ ظلم ہے، اور سن اور سمجھ لو کہ یہ دیوبندیت نہیں

ہے، نہیں ہے، نہیں ہے۔

ایک فقہ پر عمل کرنا اپنے علم و عمل تک محدود ہے، لیکن اس ایک فقہ سے خروج پر یا کسی تحقیق پر عمل کرنے سے کوئی حنفیت سے نکلے تو نکلے، اہل حق سے نہیں نکلتا، ہرگز نہیں نکلتا۔

دارالعلوم دیوبند انحطاط علمی کا شکار نہ ہو تو کیا ہو؟

جب شیخ الحدیث صاحب اس فکر عالی کے مبلغ ہیں تو دوسرے اساتذہ کے لوگ کیا رائے رکھیں گے؟

اور جب چشمہ علم اس فکر عالی سے متصف ہے تو اس سے مستفیدین کا کیا عالم ہوگا؟

اور پھر دیوبند اور بریلی میں ایک بالشت کا فاصلہ کیا ہو، دونوں ضم اور مدغم بھی ہو جائیں تو بعید نہیں۔

جلسۂ تعزیت کی شرعی حیثیت پر اجمالی تبصرہ

واضح ہو کہ رسالہ کا نام تو ''جلسہ تعزیت کا شرعی حکم'' ہے، جس سے قیاس ہوتا ہے کہ اس میں نفس مسئلہ پر محدثانہ یا فقیہانہ کلام ہوگا، لیکن ہر قیاس صحیح نہیں ہوتا، دلیل واستدلال کے نام پر اس میں صرف اتنا ملتا ہے کہ ''میں اسے یہی سمجھتا ہوں''۔

کتاب امید کے مطابق تو کیا ہوتی، افتاء کوئی طالب علم بھی لکھتا تو دلیل و استدلال سے کام لیتا، جو کتابِ موصوف میں محذوف ومنوی ہے۔

بہرکیف! ہم نفس مسئلہ پر اپنی سی معروض پیش کرنے سے قبل کچھ تمہیدی و اصولی باتیں درج کرتے ہیں:

☆ کسی چیز کے بدعت ہونے کے لئے ایک یا چند فقہ کا، اسی طرح ایک یا چند فقہاء کا بدعت کہہ دینا کافی نہیں، بدعت وہ چیز ہے جو یا تو اثباتا ونفیا نص سے بدعت

ثابت ہوجائے یا پھر اس کے بدعت ہونے پر اہل حق کا اجماع ہوجائے، یہی مفہوم ہے حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی اس عبارت کا جسے ہم نے نقل کیا۔

☆کسی چیز کا جواز ثابت ہوجانا اور بات ہے، احتیاط اور بات ہے، یہ دونوں باتیں جمع ہوسکتی ہیں، اہل فتویٰ وتحقیق کا کام مسئلہ کی تہ تک جا کر ثبوتاً ونفیاً حکم بیان کرنا ہے، لیکن کسی دوسرے محقق یا مقلد کے لئے یہ جائز نہیں - اصولاً واخلاقاً - کہ اس فروعی وظنی مسئلہ تحقیق کو باطل باور کرائے۔

☆باطل وہ نظریہ یا جزئیہ ہوتا ہے جو کسی نص صریح کے معارض ہو، یا خلاف اجماع ہو، یا قیاس جلی سے متضاد ہو، یا مسلمہ قواعد شرعیہ سے متصادم ہو۔

☆جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ اختلاف دو جگہ ہوا ہے، ایک قطعیات میں - جہاں اہل حق یعنی اہل السنہ والجماعہ کے مسلمات کے خلاف سب باطل ہے - دوسرے فروع وظنیات میں - یعنی جہاں مسئلہ مجتہد فیہ ہو - دونوں طرف عمل کی گنجائش ہوتی ہے، اور رہی بات کہ مسئلہ مجتہد فیہ کہتے کسے ہیں؟......تو یہ دو مقام ہیں، ایک تو جہاں صحابہ وسلف کا اختلاف موجود ہو - لیکن یہ اس صورت وحادثہ کے لئے ہے جب کہ مسئلہ حادث نہ ہو، اس کا وجود یا داعی ومحرک سلف کے وقت موجود ہو - دوسرے تب جب کہ (مسئلہ حادث ہوتو) اشتباہ دلیل ہو، یعنی دلیل ایسی ہے کہ ثبوتاً خبر واحد غیر محتف بالقرائن ہو، یا درجہ میں اس سے زائد ہوتو ایک سے زائد معانی کی محتمل ہو، یا اس کی تاویل ممکن ہو، وغیرہ، شامی نے فتح القدیر بحوالہ منتقیٰ نقل کیا ہے:

وكذا ما في الفتح عن المنتقىٰ من أن العبرة في كون المحل مجتهدا فيه اشتباه الدليل، لا حقيقة الخلاف. (ردالمحتار ۸/۸۸)

خلاصہ یہ کہ مسئلہ مجتہد فیہ تبھی ہوگا جب کہ صحابہ وسلف کا اختلاف ہو یا پھر دلیل

میں اشتباہ ہو، مجتہدین ومفتیان کا محض اختلاف کر لینا مسئلہ کو مجتہد فیہ یا فروعی نہیں بنا دیتا، ورنہ تعریف الشئی بنفسہ اور تسلسل لازم آئے گا (اختلاف وہاں جائز ہے جہاں مسئلہ مختلف فیہ ہو، مسئلہ مختلف فیہ وہ ہے جس میں علماء اختلاف کریں)۔

اس مسئلہ میں دیکھا جائے تو دونوں ہی باتیں مل جاتی ہیں، ایک تو عمل سلف بھی مختلف منقول ہے، دوسرے بعد کے علماء کا اختلاف بھی موجود ہے، بخاری ومسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت نقل کی ہے:

عن عروة عن عائشة زوج النبی صلی اللہ علیه وسلم: انها كانت إذا مات الميت من أهلها فاجتمع لذلك النساء ثم تفرقن إلا اهلها و خاصتها، أمرت ببرمة من تلبينة فطبخت، ثم صنع ثريد، و صبت التلبينة عليها، ثم قالت: كلن منها، فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: التلبينة مجمة لفؤاد المريض، تذهب ببعض الحزن. (بخاری رقم الحدیث: ۵۴۱۷ مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کے گھر کا جب کوئی انتقال کرتا تو اس کے یہاں خواتین جمع ہوتیں، پھر (تعزیت وغیرہ کے بعد) چلی جاتیں، مگر میت کے اعزاء و خاص تعلق والے (وہ باقی رہتے)، تو حضرت عائشہؓ تلبینہ کو کہتیں، چنانچہ وہ پکایا جاتا، پھر ثرید تیار کیا جاتا، اور تلبینہ کو ثرید پر ڈال دیا جاتا، اس کے بعد حکم دیتیں کہ اسے کھاؤ، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے: تلبینہ مریض کے دل کے لئے مفید ہے، یہ رنج کو دور کرتا ہے۔

مذکورہ حدیث پاک میں حضرت عائشہؓ کے لئے الفاظ: ''**انها كانت اذا**

مات المیت من اھلھا فاجتمع لذلک النساء'' یہ واضح دلالت کرتے ہیں کہ تعزیت کے لئے جمع ہونا اتفاقا نہیں، اس وقت کا عرف و عادت تھا، اس میں کوئی حرج وشرعی محذور نہ تھا، اگر ہوتا تو حضرت عائشہؓ ضرور اس واقعہ کونقل کرنے میں اس پر استدراک فرماتیں جیسا کہ ان عادت ہے، نیز یہ اجتماع بھی مردوں کا نہیں عورتوں کا ہے، جس میں غالب جذبات میں آکر کچھ افراط وتفریط کرنا ہے، اس کے باوجود وہ اس اجتماع میں بنفس نفیس شریک رہیں، نہ ہی اس پر قولاً کوئی گرفت فرمائی۔

اگر روایت میں صرف ''تفرقن'' وارد ہوتا تب بھی دلالت کے لئے بات کافی تھی، کیونکہ تفرق بغیر اجتماع کے ممکن ہی نہیں، لیکن یہاں تو صریح دلالت اجتماع عوام و خواص پر موجود ہے: ''**فاجتمع لذلک النساء ثم تفرقن إلا أھلھا و خاصتھا**''۔

اس حدیث پاک سے نہ صرف صحابہ بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کی خواتین تک کا معمول مصرح ہے، جس سے تعزیت وتسلیہ کی لئے اجتماع کا جواز واباحت ثابت ہوتی ہے، اور سارے بحث وبکھیڑے کا نکتہ آغاز بھی یہی ہے، ظاہر ہے کہ ام المومنین جیسی فقیہۂ امت جسے عادت سے تعبیر کریں اسے بدعت کون کہہ سکتا ہے؟

البتہ اس حدیث میں اس اجتماع کا جواز مطلق ہے، اور اہل بدعت جو تیجہ چالیسواں کرتے ہیں وہ اس سے ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ وہ سب اپنی طرف سے اضافہ کردہ شرائط ورسومات کے مجموعہ کا ہی نام ہے۔ واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم

حدیث جریر کا جواب

اثر جریر کو امام دارقطنی نے اپنی علل میں ذکر کیا، اور اگر یہ حدیث بدرجہ صحت بھی ٹھہری تو حضرت عائشہؓ کی حدیث متفق علیہ ہے یعنی بخاری ومسلم نے روایت کی ہے، معنی بھی بالکل صریح ہیں، کوئی خفا واشتباہ نہیں، اس سے عمل صحابہ کا اختلاف وتعدد

معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام میں دونوں طرح کا عمل رائج تھا، جب دو معارض ہوں تو ایک پر عمل ضرور کیا جاتا ہے، لیکن دوسرے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اگر تاویل حضرت عائشہؓ کی روایت کی ہوسکتی ہے تو تاویل حضرت جریرؓ کے روایت کی بھی ہوسکتی ہے کہ یہ اس وقت مراد ہے جب کہ اجتماع میں منکرات و مفاسد ہونے کا اندیشہ ہو، نیز حدیث عائشہؓ اس لئے بھی راجح ہوسکتی ہے کہ وہ فقہاء صحابہ اور اہل فتویٰ میں سے ہیں۔ واللہ اعلیٰ واعلم

حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمن اعظمی دامت برکاتہم محدث دارالعلوم دیوبند کی تنقیح

بندہ کی رائے میں یہ (تعزیتی) جلسے صرف نام ہی کے تعزیتی ہیں، معنوی اعتبار سے یہ تعزیت کے مصداق نہیں ہیں، کیونکہ ان جلسوں میں اس دنیا سے رخصت ہوجانے والوں کے سوانح ،علم ، دین ،فہم وفراست اوران کی ملی ، سماجی ، سیاسی خدمات وغیرہ کا تذکرہ ہوتا ہے، اس لئے یہ اپنی معنوی حقیقت کے اعتبار سے محاسن موتی کے تذکرہ کے جلسے ہیں ، اور محاسن موتی کا ذکر محمود ومطلوب ہے، نیز حدیث پاک ''اذکروا محاسن موتاکم وکفوعن مساویه'' اپنے اطلاق میں انفرادی واجتماعی دونوں نوع کے ذکر کو حاوی ہے، لہٰذا محاسن موتی کے ذکر کی دونوں صورتیں مشروع ومطلوب ہیں، چاہے کوئی انفراداً یہ ذکر کرے یا ایک جماعت ومجمع میں یہ ذکر ہو، شرعی طور پر دونوں کا اختیار ہے۔

البتہ اگر اس کے ساتھ کوئی ایسا امر وابستہ ہوجائے جو شرعاً ممنوع

ہے تو پھر یہ ذکر اجتماعی ممنوع ہو جائے گا، کیونکہ قاعدہ ہے کہ جائزِ مطلق قیدِ ممنوع سے ممنوع ہو جاتا ہے۔

(جلسہ تعزیت اور سیمینار کا شرعی حکم پر ایک نظر ص ۱۱)

تبصرہ: کسی چیز کا نام کچھ رکھ دینے سے اس کی اصلیت نہیں بدل جاتی، اعتبار مسائل میں حقیقت کا ہوتا ہے، نام وظاہر کا نہیں، اسی حقیقت کا ادراک حضرت مولانا اعظمی صاحب نے اپنے اس ارشاد میں فرمایا کہ دیکھنے و کہنے کو اگرچہ وہ تعزیتی جلسہ ہے، لیکن اس میں تعزیت کم اور استفادہ وذکر محاسن زیادہ ہے، لہٰذا بدعت ہونے کا تو کیا سوال، یہ تو ایک درجہ مندوب، محمود ومطلوب ہوا۔

شخصیاتی سیمینار پر حضرت مولانا اعظمی کا تبصرہ

علمی، روحانی، ثقافتی، سیاسی وغیرہ شخصیات پر ملک یا بیرون ملک جو سیمینار ہوتے ہیں، ان کا تعزیتِ مصاب سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے کہ ان پر خوامخواہ تعزیت کے احکام چسپاں کرکے انھیں ناجائز ٹھہرایا جائے، یہ سیمینار دراصل تحصیل علم وتحقیق کا ایک طریقہ ہے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے عام فقہائے مجتہدین کی روش سے ہٹ کر مجتہد فیہ مسائل میں تنہا اجتہاد کرنے کے بجائے اپنے منتخب چالیس طلبہ کی جماعت مقرر فرمائی تھی جس میں خود امام صاحب بھی شریک تھے، یہ پوری جماعت مل کر مسائل زیر بحث کی تحقیق وتنقیح کرتی تھی، یہ شخصی اجتہاد کے بجائے اجتماعی اجتہاد کا ایک طریقہ تھا، جو اس قدر پسند کیا گیا کہ بعد کے ادوار میں مختلف علمی موضوعات پر مجالس اور اکیڈمیاں قائم ہونے لگیں۔

اسی طرح عصر حاضر میں سیمینار بھی علم وتحقیق کا ایک ذریعہ ہے کہ

کسی شخصیت یا کسی علمی موضوع پر خواہ وہ اسلامی علوم سے متعلق ہوں یا جدید عصری علوم سے ان کا تعلق ہو، شخص واحد کے بجائے ایک جماعت اس موضوع پر اپنے تحقیقی مقالے لکھتی ہے، پھر سیمینار کے اجتماع میں ہر شخص اپنی تحقیق پیش کرتا ہے، اور اس پر مناقشہ ومباحثہ ہوتا ہے، اس طرح زیر موضوع بحث محقق ومنقح ہوجاتا ہے، خود اپنے حلقہ میں فقہ اکیڈمی اور محکمہ شرعیہ کی جانب سے پیش آمد جدید مسائل پر سیمینار ہوتے رہتے ہیں، جس میں ملک کے دیگر علماء کے علاوہ خود دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ کی ایک اچھی خاصی تعداد شریک ہوتی ہے، لہٰذا تحصیل علم وتحقیق کے اس مفید طریقہ کے جواز میں کیا تردد ہوسکتا ہے؟

(جلسہ تعزیت اور سیمینار کا شرعی حکم پر ایک نظر ص ۱۱)

فقیہ العصر حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب دامت برکاتہم

کی ناقدانہ تحریر

بعنوان: ایک تحریر سے پھیلی غلط فہمی کا ازالہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

حال میں کچھ اہم اور معتبر علماء کی عجیب وغریب تمام علمائے معتبرین وسابقین کی رائے کے خلاف نظر پڑی، جس سے حیرت وتعجب کے ساتھ ایک گونہ افسوس بھی ہوا، کہ چند علماء نے تقریباً تمام علمائے پیشین کی رائے کو غلط ٹھہرادیا، راقم الحروف تقریباً ستّر سال سے اپنی زندگی میں برابر یہ دیکھتا اور مشاہدہ کرتا آیا ہے کہ جس بڑے آدمی بالخصوص عالم کا

انتقال ہوا اس کی تعزیت میں ایک نہیں بلکہ متعدد جلسہائے تعزیت ہوئے، مگر کسی نے اس پر نہ نکیر کی اور نہ اس پر نوحہ کا اطلاق کیا، مثلاً راقم کے زمانہ تعلیم میں حضرت شیخ الاسلام استاذی مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کا انتقال ہوا، (اس وقت یہ حقیر دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کا طالب علم تھا) تو حضرت مخدوم کے انتقال کے بعد دارالعلوم دیوبند کے دارالحدیث میں چندروز تو مسلسل قرآن مجید کی تلاوت کر کے ایصالِ ثواب کیا جاتا رہا، اس کے بعد بہت سے جلسہائے تعزیت مدتوں ہوتے رہے، اورتو اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے چالیس سال بعد جمعیت علماء نے دھلی میں ایک عظیم الشان سیمینار کیا، جس میں ملک بھر سے ممتاز علماء، اکابرامت شریک ہوئے، علاوہ ازیں پورے ملک میں حضرت کے لئے حدِ شمار سے متجاوز تعداد میں جلسہائے تعزیت ہوے، اورحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات، محاسن بیان ہوتے رہے، جسکی روداد روزنامہ (الجمعیہ) شیخ الاسلام نمبر میں آج بھی دیکھی جا سکتی ہے، سب سے بڑھ کر یہ کہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد دنیا بھر میں، جس میں حرمین شریفین بھی شامل ہیں جلسہائے تعزیت مدتوں ہوتے رہے، لیکن کسی نے بھی اسے نوحہ قرار دے کر ناپسندیدہ تک نہیں کہا، چہ جائیکہ ممنوع اور ناجائز! مزید برآں ایں کہ راقم نے اپنی عمر کے ستّر سال کے اندر بے شمار ممتاز علماء کے انتقال پر جلسہائے تعزیت کی خبریں سنیں اور اخبارات میں پڑھیں، جن میں کوئی ایک درجن جلسوں میں راقم خود بھی شریک ہوا، ان حضرات علمائے مرحومین میں مجاہدِ ملت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رحمۃ

اللہ علیہ (خیال پڑتا ہے کہ مجاہد ملت کے جلسہ تعزیت میں اس وقت کے سب سے بڑے متقی اور مشہور عالم دین مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل تھے) مولانا احمد سعید دھلوی، مولانا بدر عالم میرٹھی ثم پاکستانی، مولانا یوسف بنوری، مولانا ابوالکلام آزاد رحمہم اللہ وغیرھم جیسی ممتاز ہستیاں شامل ہیں، پھر ان جیسی مجلسوں پر نوحہ کا الزام دھر کے ناجائز یا ناپسندیدہ قرار دینا کیونکر درست ہوسکتا ہے، بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مرحومین کے محاسن بیان کرنے کا ایک درجہ میں حکم جو جلسہائے تعزیت کی اصل غرض ہوتی ہے، حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (**اذکروا محاسن موتاکم وکفوا عن مساویھم**) اس حدیث کو ترمذی، ابوداؤد، طبرانی، حاکم جیسی اہم اور معتبر کتابوں میں تخریج کیا گیا ہے، بھلا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم (چاہے جس درجہ کا ہو) کی تعمیل کرنا کیونکر غلط اور ناپسندیدہ ہو سکتا ہے، رہا نوحہ جس کی حدیث میں مذمت آئی ہے، تو یہ بالکل الگ چیز ہے، اس کی (نوحہ) تشریح تو خود احادیث میں کردی گئی ہے، ان میں سے کچھ یہاں ذکر کی جاتی ہیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لیس منا من ضرب الخدود وشق الجیوب ودعا بدعوی الجاھلیہ، وقال: بریئ من الصالقۃ والحالقۃ والشاقۃ......**

تو جلسہائے تعزیت کو نوحہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے دھوم دھام سے گاجے باجے کے ساتھ شادی پر قیاس کرکے شرعی اصول پر ہونے والی سادی شادی کو بھی ممنوع قرار دینا، یہاں یہ بتانا بھی غیر ضروری نہ ہوگا کہ مرحوم یا مرحومین کا محض خیر کے ساتھ تذکرہ نوحہ نہیں، بلکہ ایک درجہ میں

مطلوب ہے، اور مرحوم کی صفات حسنہ کا ذکر کرکے اس کے لئے دعاء مغفرت کرنا ثابت ہے، مثلاً صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایک ممتاز صحابی جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے ایک صاحب (جو امیر بھی تھے) کے انتقال پر لوگوں سے (**استعفوا لأمیر کم فإنه کان یحب العفو**) (ج اول ص ۱۴) کہہ کر مرحوم کے لئے دعا کی درخواست کی، علاوہ ازیں متعدد احادیث مرفوعہ میں بہت سے صحابہ کو ان کے انتقال کے بعد تعزیتی کلمات سے یاد کیا گیا اور ان کی صفات حسنہ بیان کرکے دعاء مغفرت کی فرمائش کی گئی جس کی تفصیل اہل علم کے سامنے بیان کرنا ضروری نہیں معلوم ہوتا۔

ان سب کے باوجود کوئی شخص جلسۂ تعزیت اور اس طرح کے سیمیناروں کو نوحہ کہہ کر ممنوع قرار دیتا ہے تو یہ اس کی شخصی وانفرادی رائے ہوگی عام فتویٰ نہیں ہوگا۔

شیخ محمد صالح المنجد، سعودی

خلاصہ یہ ہوا کہ: تعزیت کیلئے منکرات سے بچ کر بیٹھنا ایسا مسئلہ ہے جس میں اختلاف ہے، اور یہ مسئلہ محل نظر بھی ہے، لیکن اس میں گنجائش ہے، جبکہ منکرات اور بدعات کی موجودگی میں تعزیت کیلئے بیٹھنا بالکل ممنوع ہے۔

چنانچہ اگر تعزیت کیلئے اجتماع اور مجلس لگانا منکرات سے خالی ہو، تو اسے جائز سمجھنے والے علمائے کرام کے دلائل زیادہ صحیح، اور واضح دلالت والے ہیں، جبکہ منع قرار دینے والے علمائے کرام کے دلائل ضعیف آثار ہیں، ان میں سے کوئی بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعا ثابت نہیں

ہے،ایسے ہی ان آثار کی دلالت بھی احتمال رکھتی ہے ٹھوس دلالت نہیں ہے، کیونکہ ان آثار سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان میں تعزیت کیلئے بیٹھنے سے ممانعت نہیں ہے، بلکہ اہل میت کو لوگوں کیلئے کھانا بنانے کی زحمت دینے سے ممانعت ہے، اس لئے کہ اہل میت ایک تو مرگ کی وجہ سے مشغول ہیں (اوراوپر سے تعزیت کیلئے آنے والے لوگوں کیلئے کھانا تیار کرنے کی نئی مصیبت ہو)۔

یہ بات بھی عیاں ہے کہ تعزیت کیلئے جمع ہونے کے بارے میں جواز کا موقف سب کیلئے آسانی اور مشقت زائل کرنے کا باعث بھی ہے، اور خصوصی طور پر ایسے لوگوں کے لئے جو انتہائی مصروف رہتے ہیں، اور فراغت کا وقت سب کا الگ الگ ہوتا ہے، جس کی وجہ سے انہیں کچھ ایسی عادات اپنانی پڑتی ہیں جو انکی زندگی کو مزید منظم بنانے کیلئے مددگار ثابت ہوں، اور انہی عادات میں یہ بھی شامل ہے کہ مرگ کی صورت میں لوگوں کی طرف سے تعزیتی پیغام ایک ہی جگہ پر جمع ہوکر وصول کیا جائے، اسکی وجہ سے تعزیت کرنے والے لوگ میت کے رشتہ داروں کو الگ الگ تلاش کرنے کے لئے انکی مساجد، گھر، یا ملازمت کی جگہوں میں گھومنا نہیں پڑے گا، ایسے ہی انہیں تعزیت کے لئے اپنے کام کاج کوئی دنوں تک چھوڑنا بھی نہیں پڑے گا اور نہ ہی لمبی لمبی مسافت طے کرنی پڑے گی، کیونکہ ہر ایک کی اپنی اپنی مصروفیات ہوتی ہیں۔

چنانچہ اگر تعزیت کیلئے بیٹھنے کو جائز قرار دینے کیلئے صرف یہی جواز ہوتا کہ اس سے لوگوں کو آسانی ہوگی، اور انہیں مشقت سے بچایا جا سکے گا تو اس عمل کے جائز ہونے کیلئے یہی کافی تھا، لیکن یہاں تو اس مسئلہ میں صحیح

اور صریح دلائل بھی مل گئے ہیں! اب تو بالا ولی جائز ہوگا۔ واللہ اعلم

(اسلام سوال جواب ویب سائٹ، زیر نگرانی محمد صالح المنجد، islamqa.com)

اختلاف مفتیین درج کرانے کے لئے اتنی تحریریں کافی ہیں، مجوزین کے ناموں کا احاطہ مقصود نہیں، اگر اس مسئلہ میں مستقل کسی تحریر کی ضرورت سمجھی گئی تو انشاء اللہ وہ بھی پیش کر دیئے جائیں گے۔

افکارِ خطیب الاسلام: انہیں کی زبانی

ظاہر ہے کہ فقہ کی یہ کتابیں اجتہاد اور استنباط کے نتیجہ میں سامنے آئیں اور جب تک ہر ہر جزئیہ دلائل نقلیہ اور دلائل عقلیہ یقینیہ مکمل طور پر قائم نہیں کئے گئے اس وقت حضرات مجتہدین نے ان کو بطور مذہب قبول نہیں کیا، یہ حضرات اگرچہ دیانت کے مقام عظمت پر فائز ہیں، لیکن اس کے باوجود استدلال اور استنباط کا تعلق چونکہ عقل انسانی سے ہے اور عقل انسانی میں صواب کے ساتھ خطا کا امکان ضرور ہے، اور اسی بنا پر ان حضرات فقہاء کے یہاں استدلالی اور استنباطی اختلاف بھی پیدا ہو تو گویا عقل انسانی جہاں کارفرما ہوتی ہے تو اس کے اندر امکان اختلاف ناگریز بن جاتا ہے، لیکن ''اختلاف أمتی رحمة واسعة'' یہ (میری امت کا اختلاف بھی رحمت واسعہ ہے) کے تحت اس اختلاف کے نتیجہ میں علم عظیم کے دروازے آپ کے سامنے کھلے ہیں، آج وہ ہم سب کے لئے کارآمد بن رہا ہے، کسی زمانے میں آپ کسی کا بھی فقہ اختیار کریں، حنفی ہوں، شافعی ہوں، مالکی ہوں یا حنبلی لیکن ظاہر ہے کہ مستفید آپ سب سے ہو رہے ہیں، یہ سارے فقہاء آپ کے لئے قابل عظمت ہیں، ان ہی چار فقہاء کو تلقی بالقبول امت میں عطا فرمائی گئی ہے۔

لیکن اس سلسلہ میں ایک بنیادی فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ فقہاء کا مستنبط

کردہ قانون اسلامی دین کے درجہ میں نہیں ہے، دین وہ ہے جومنزل من اللہ ہے جس میں عقل انسانی قطعاً دخیل نہیں ہے، ظاہر ہے کہ جس کے اندر عقل انسانی دخیل ہوتو وہ قابل تبلیغ نہیں ہوسکتا، قابل تبلیغ صرف دین منزل من اللہ ہی ہوگا، بخلاف مذاہب فقہاء کے کہ وہ عقلاً اجتہادی اور استنباطی ہیں اس لئے ان کا درجہ ترجیحی تو ہوسکتا ہے، تبلیغی نہیں ہوسکتا، اگر ان کو درجہ تبلیغ دے دیا جائے تو یہ دین منزل کے ساتھ ناانصافی ہوگی، اس لئے کہ دین میں کسی اختلاف، کسی تضاد کا امکان نہیں ہوتا، بخلاف مذہب کے کہ اس میں استنباط اور استدلال عقلی کی وجہ سے اختلاف کا پیدا ہونا ناگریز ہے، لہٰذا یہ فرق مراتب قائم کرنا ضروری ہے کہ دین کو مقام تبلیغ پر رکھیں اور مذہب فقہی کو ترجیحی درجے پر رکھیں۔

...... لیکن ان فقہاء کرام کے درمیان اگر استدلالی اختلاف ہوا بھی تو وہ انتہائی دیانت داری پر مبنی تھا جس پر ناقابل انکار شہادت'' **نحن علی الصواب مع احتمال الخطأ، والغیر علی الخطأ مع احتمال الصواب**'' ہے، ہمارا صواب امکان خطا سے خالی نہیں، اور دوسرے ہمارے نزدیک خاطی ہیں، لیکن ان کے پہلوؤں میں صواب کا امکان موجود ہے، اس سے بڑا دیانت کا ثبوت کوئی نہیں ہوسکتا۔

دور عباسی میں مختلف مذاہب فقہیہ کے مرتب و مدون ہونے کے بعد لوگوں نے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی فقہوں کو قبول کیا، لیکن ساتھ ہی یہ علمی انحطاط بھی پیدا ہوگیا کہ اہل علم نے اپنے فقہ کی علمی برتری کو ثابت کرنے کے لئے دین کا مقام اس کو تبلیغی بنا کر مذہب فقہی کو دے دیا، نتیجتاً دین اور مذہب میں جو فرق تبلیغی اور ترجیحی ہونے کا تھا وہ برقرار نہیں رہا، جب کہ مذہب فقہیہ کا درجہ عقل انسانی کے دخیل ہونے کی وجہ

سے دین سے کم ہے اور اس فرق مراتب کو باقی رکھنا ضروری ہے ۔

...... لیکن دور حاضر میں انحطاط علمی بعض افراد وطبقات میں یہاں تک پہنچ گیا کہ انہوں نے دین منزل من اللہ اور خطا وصواب کا احتمال رکھنے والے مجتہد فیہ فقہ سے ماخوذ ومستنبط مسائل کو تبلیغی بنا کر دین کے ہم پلہ بنا رکھا ہے، جب کہ مدار نجات مستحق تبلیغ فقط دین ہے، مذہب فقہی اور مسلک مختار نہ مدار نجات ہے، اور نہ مستحق تبلیغ ہیں، لہٰذا آگے بڑھ کر اگر میں یہ عرض کروں تو شاید بے جا نہ ہوگا کہ اس انحطاط کے نتیجہ میں ایک ذہنیت یہ پیدا ہوئی کہ لوگ دین سے اتر کر مذہب پر آئے، مذہب سے اتر کر مسلک پر آئے، اور آج انتہائی انحطاط علمی یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ مشرب جو محض ذوقی چیز ہے ہے انہوں نے مسلک کا قائم مقام مشرب تک کو بنا رکھا ہے اور اس کی تبلیغ بھی شروع کردی، بالفاظ دیگر مسلک سے بھی نیچے اتر کر انہوں نے اپنی ذوقی چیز کو دنیا کے سامنے بطور دین پیش کرنا شروع کر دیا ہے، ان محروم طبقات کا صحیح الفکر علماء کو ان کا قوت سے رد کرنا پڑ رہا ہے ۔

......امت کے طبقات کے بارے میں فرمایا گیا کہ اس امت کے اندر تہتر طبقات پیدا ہوجائیں گے، اور تہتر میں ایک وہ طبقہ ہوگا جو صواب پر ہوگا اور جنتی ہوگا، اور جب صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا وہ کون سا طبقہ ہوگا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **ماأنا عليه و أصحابى**، (وہ جنتی طبقہ ہوگا جو میرے اور میرے صحابہ کے راستے پر چلے گا ۔

...... نیز یہ لائق توجہ ہے کہ مکاتب فکر دو طرح کے پیدا ہوتے ہیں، ایک وہ جو باطل ہیں ان کے مقابلے میں امر حق پیش کیا جاتا ہے، دوسرے وہ مکاتب فکر بکثرت پیدا ہوں گے جن کے اندر خطا اور صواب دونوں کے امکان موجود ہوں گے ۔

(دین اور فقہی مذاہب ومسالک ص ۲۴ تا ۳۲)

تعلیق: ☆ مرکزی اختلافات تین قسم کے ہیں: ایک تو دین کا اختلاف، جیسے اسلام بمقابلہ یہودیت، نصرانیت اور ہندوازم، یہاں اسلام کے سوا کوئی دین قبول نہیں: **ومن یبتغ غیر الإسلام دیناً فلن یقبل منه.** (آل عمران: ۸۵)، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت خطیب الاسلام فرماتے ہیں: ''دین میں کسی اختلاف، کسی تضاد کا امکان نہیں''، اس کی دلیل ہے: **ولو کان من عند غیر الله لوجدوا فیه اختلافاً کثیراً.** (النساء: ۸۲)، **الحمد لله الذی أنزل علی عبده الکتاب ولم یجعل له عوجاً** (الکہف: ۱)۔

دوسرا اختلاف اہل اسلام اور اہل قبلہ کا اختلاف کہلاتا ہے، اس میں اہل حق کے مسلمہ عقائد وافکار کے خلاف تمام افکار ونظریات باطل ہیں، ان کی نشاندہی حضرت نے یوں کی ہے: ''ایک وہ جو باطل ہیں ان کے مقابلے میں امر حق پیش کیا جاتا ہے''۔

تیسرا اختلاف فروعی، عملی اور ظنی مسائل کا اختلاف، جیسے فقہاء ومجتہدین اور موجودہ دور کے اہل حق متدین مفتیان کرام کا اختلاف، اسی کو حضرت نے کبھی مسلک، کبھی مذہب اور کبھی دیگر الفاظ میں تعبیر کیا ہے، اوپر درج اقتباسات میں جابجا اس کا ذکر ہے، اس کی تبلیغ کی ممانعت ہے، جو تمام اہل السنہ کا مسلمہ اصول ہے، سوائے حضرت شیخ الحدیث مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم کے۔

☆ حضرت اقدسؒ نے تینوں اختلاف کو اسی تعبیر واسلوب میں بیان فرمایا ہے جو اہل حق کے نزدیک حق وصواب ہے، اب نام رکھنے کو اصطلاحات ہزار ہیں، آپ جو منتخب کریں، مسلک، مذہب، مکتبۂ فکر جو چاہے کہئے۔

☆ حضرت خطیب الاسلامؒ کے کلام میں غور کرنے سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان چیزوں کی تبلیغ کی مخالفت فرما رہے ہیں جن کی تبلیغ شرعا ہے ہی نہیں، جسے ہم نے نووی کے حوالہ سے پیش کیا، اب اس تبلیغ نہ کی جانے والی چیزوں کے درجات و مراتب ہیں، جو اجتہاد سے شروع ہوکر ذوق پر ختم ہوتے ہیں، درمیان میں ترجیح، تنقیح، مصالح وغیرہ سے اختیار کردہ امور، مسائل، طرق وطرز عمل وغیرہ ہیں، جن کو اپنی ذات تک تو اختیار کیا جاسکتا ہے، ان کی تبلیغ وتشکیل کی شرعا اجازت نہیں۔

اب ذرا اسلامی معاشرے پر نظر ڈالی جائے تو عوام درکنار، علماء واکابر تک اس بلا میں گرفتار دکھائے دیں گے کہ وہ کبھی ترجیحی، کبھی مصالحی، حتی کہ ذوقی امور کی تبلیغ کرتے نظر آئیں گے، سیاست میں اگر کوئی گیا تو اسے فرض عین بنادیا، کسی نے تدریس وتصنیف کو ہر ایک کا فرض عملی بنانے کا ٹھیکہ لے لیا، کوئی تبلیغی جماعت کو عین دین کہتا ہے، اور اسے شعبہ دینی کہنے والوں کو معتوب اور قابل نکیر سمجھتا ہے، کوئی اپنے چشتی، تو کوئی نقشبندی سلسلہ کو کشتی نوح بتاتا ہے، ظاہر ہے کہ صورت حال خراب سے خراب ہے اور بہت خطرناک ہے، اور حضرتؒ کا ارشاد صد فیصد حق ہے کہ تبلیغ اس چیز کی ہو جو منزل من اللہ ہو، غیر اختلافی ہو، اگر امر اختلافی کی تبلیغ ہوگی تو سب کی تبلیغ اپنی الگ الگ ہوگی، اپنی ترجیح، تحقیق، عقل اور ذوق کی تبلیغ ہوگی، جن میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار اختلاف رکھا ہے، اور پھر ایسی تبلیغ اپنی عقل وفہم، اجتہاد وترجیح کو دین کے مساوی بنانا ہے جو صریح زیادتی ہے، اور دین وشریعت کے ساتھ کھلواڑ ہے۔

☆ حضرت خطیب الاسلامؒ کی فکر اصول وقواعد اہل السنہ کے عین مطابق ہے، جس کا ہم نے علماء اسلام کی عبارات سے انطباق بھی کردیا، اس کے باوجود ان کو بدمسلک، یا مشتبہ ومشکوک کہنے والا یا تو مدارک ومدارجِ اختلاف سے جاہل محض ہے یا پھر مکابر ومعاند۔

کچھ دل کی باتیں

واقعات وحادثات عقیدہ کی دلیل ہیں نہ تفہیم کا طریقہ

اکابر دیوبند ہوں یا اکابر سلف کسی کے بھی واقعات نہ تو حق کی دلیل ہیں نہ تو حق کو سمجھنے کا طریقہ، آپ تصوف پڑھیں، وہاں یہ سب چلتا ہے، وہاں دلیل ذوق بھی بن جاتا ہے، یعنی ظنیات سے بھی ادنی دلیل اس میں دلیل ہوتی ہے، وہاں ہر بزرگ کی اپنی تحقیق ہوتی ہے۔

نیز حق کو سمجھنے کا معیار صحابہ اور کسی درجہ تابعین کے بعد کسی کی شخصیت پر نہیں، خواہ وہ کتنے ہی بڑے ہوں، حق شخصیات سے نہیں، شخصیات حق سے پہچانی جاتی ہیں، نہ جانے امت میں کتنے پہاڑ وسمندر جیسا علم رکھنے والے بھی تفردات کا شکار ہو گئے، اللہ کے فضل وکرم سے ان ایسی غلطیاں ہوئیں جسے امت نے چھوڑ دیا، جی ہاں! اللہ کے فضل وکرم سے، ورنہ امت معصوم وغیر معصوم میں فرق ہی نہ کر پاتی، امام دار الہجرۃ سیدنا مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مقولہ ہے:

کل یوخذ من قوله و یترک إلا صاحب هذا القبر.

نبی کے اقوال وافعال علی الاطلاق دلیل ہیں، وہ معصوم ہے، صحابی معصوم نہیں، لیکن جماعت صحابہ ضرور معصوم ہے، ان کے بعد کا طبقہ نصوص کا سب سے زیادہ سمجھنے والا ہے، ان کا فہم سب پر مقدم ہے، ان کے خلاف کسی کا مقبول نہیں۔

اہل علم کے نزدیک متداول واعلیٰ اسلوب بھی یہی رہا ہے، یہ عقیدت پرست اور

غالی فی الفکر لوگوں کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے مقتداؤں کو سمجھا کر حق کو ان پر معلق کر دیتے ہیں، کہ اگر ان کو سمجھ لیا تو حق سمجھ لیا، اور اگر نہ سمجھ سکے تو دائرہ حق سے خارج ٹھہرے۔

اکابر دیوبند کا کبھی یہ طریقہ نہ رہا، انھوں نے حق کو نصوص اور اس کے اصلی ترجمان یعنی صحابہ وسلف سے نقل کیا، اور انھیں کے واسطوں سے سمجھایا، خود نصوص کے شارح بنے، یہ نہیں کہ فلاں وفلاں شخصیات پر حق محدود ومنحصر کر دیا۔

اب ہمارے دور میں یہ طریقہ بالکل مفقود ونا پید ہو چکا ہے، ہمارے یہاں حق فہمی کا مدار حضرت فلاں اور حضرت فلاں بن کر رہ گئے ہیں، اس طریقہ سے ہم اپنوں کو ضرور زیر کر سکتے ہیں، لیکن یہ طریقہ فوائد سے خالی ہے۔

بلکہ اس کے بہت سے نقصانات ہیں، مثلاً:

ایک شخص جو خلاف حق ماحول میں پلا بڑھا، مگر ہے طبیعت سے منصف، اگر حق اس پر واضح ہو جائے تو قبول کر لے، لیکن جب اس کے سامنے پہلے ہی ان شخصیات کے نام لا کر رکھ دیں جن سے اسے نفور پیدا کرایا گیا، وہ کبھی وہ کلام پر غور کرے گا نہ قبول۔

بلکہ اسے حق ودلائل حق دو اور دو چار کی طرح سمجھائے جائیں، جب اسے وہ قبول کر لے تو وہ اہل حق میں سے ہے، اب وہ فلاں وفلاں کی عقیدت پر لبیک کہے نہ کہے۔

دائرہ کو ذرا وسیع کیجئے! اور اس سوال کا جواب دیجئے کہ دنیا میں اہل حق، اہل السنہ کون ہے؟

تو کیا آپ یہ کہیں گے کہ حضرت فلاں اور حضرت فلاں کے افکار حق ہیں۔

پھر تو بس آپ ہی اہل حق بچیں گے، دوسرا کوئی آپ کے قاعدے سے اہل حق نہ ہوگا، بلکہ معقول طریقہ یہ ہے کہ وہ اصول بتائے جائیں جن پر عامل ہو کر وہ

حضرات اہل حق ہیں، دنیا کو رہنے دیجئے، ہمارے درمیان نوجوان طبقہ خود اپنے اکابر کو کتنا جانتا ہے؟

ہمارا معاملہ اتنا ابتر ہو چکا ہے کہ ہم سلف و متقدمین کے لئے تو عذر و تاویل تلاش کر لیتے ہیں، لیکن اپنے جماعتی اکابر و متاخرین کے اقوال و نظریات کو من وعن ثابت کرنے پر تمام زور صرف کر دیتے ہیں، اسے نا قابل تسخیر گردانتے ہیں، کیا یہ عقلاء کا طریقہ ہوسکتا ہے؟ کیا اہل انصاف اسے معقولیت کا درجہ دیں گے؟

تاریخ شاہد ہے کہ امت کی فکری خدمت اہل حق سے ہوئی ہے

یہ سچ ہے کہ تفرق وتحزب سے بچنا ضروری ہے، امت کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لی جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح دکھائی دے گی کہ جب بھی امت پر کوئی اجتماعی مسئلہ، قضیہ یا مصیبت آن پڑی تو اسے حل کرنے والی جماعت اہل حق کی ہی ہے، الا ماشاءاللہ اس حدیث کے بمصداق:

إن الله ليويد هذا الدين بالرجل الفاجر. (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۳۰۶۲)

اس میں مزید نکتہ یہ ہے کہ فاجر سے ظاہری و خارجی تائید و خدمت تو ہوسکتی، لیکن فکری خدمت کی کوئی نظیر نہیں ملتی، یہ نکتہ اس حدیث پاک سے مفہوم ہوتا ہے:

لاتزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق، لايضرهم من خذلهم حتىٰ ياتي أمر الله وهم كذلك. (صحیح مسلم، رقم الحدیث ۱۹۲۰)

ہم جس دور سے گذر رہے ہیں اس میں فکری خدمت کی یہ ضرورت ہے کہ ایک بہت بڑا طبقہ ہے جو حق کا متلاشی ہے، لیکن حق کو کسی جماعت یا شخصیت پر معلق کر کے نہیں سمجھنا چاہتا، بہت سے ایسے بھی ہیں جن پر حق و باطل ان کی نادانی وکم علمی

سے واضح ہی نہیں ہوا، اگر ہم نے اپنی روش نہ بدلی تو ضرور اس کی پوچھ ہوگی کہ جماعت کا نام تمہیں مقصود تھا یا حق کی ترویج؟......ملی ملکی مسائل میں اتحاد پر تو کسی کا بھی نزاع نہیں۔

اللہ تعالیٰ اکابر دیوبند کی درجات کو بلند فرمائے، جنھوں نے حق کو باطل سے خلط ملط نہ ہونے دیا، ہمیں بھی ان کے علوم وخدمات کا حصہ بننے کی توفیق دے۔آمین

کیا باطل فرقے والے ابدی جہنمی ہیں؟

اہل حق سے اختلاف کرنے والوں کا باطل دو قسم کا ہوتا ہے، کبھی تو کفر وشرک اور کبھی کفر سے کم، صرف ضلالت وگمراہی، جن فرقوں میں کفر وشرک ہوگا وہ تو ہمیشہ کے لئے جہنم میں جائیں گے اور جن میں کفر نہ ہو، کفر سے کم ضلالت ہو وہ سزا پانے کے بعد جنت میں داخل کئے جائیں گے:

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ جن بہتر فرقوں کے بارے میں **کلھم فی النار** آیا ہے، اس سے دوزخ کا دائمہ عذاب مراد نہیں، اس لئے کہ دوزخ کا دائمی عذاب ایمان کے منافی ہے، دائمی عذاب کفار کے ساتھ مخصوص ہے اور چونکہ یہ بدعتی فرقے سب اہل قبلہ ہیں اس لئے ان کی تکفیر میں جرأت نہ کرنی چاہئے، جب تک دینی ضروریات کا انکار اور احکام شرعیہ کے متواترات کورد نہ کریں اور ان احکام کے جو دین سے ضروری اور بدیہی طور پر ثابت ہو چکے ہوں منکر نہ ہو۔

(عقائد اسلام، مولانا محمد ادریس صاحبؒ، ص ۲۴۳)

خلاصۂ بحث اور حاصل کتاب

☆اہل اسلام، اہل قبلہ کے دو اختلاف ہیں،ایک: عقائد وقطعیات اور ضروریات دین کا اختلاف،اور دوسرا: فروع ظنی،عملیات کا اختلاف۔

☆ دیوبندیت مجموعۂ عقائد وقطعیات کا نام ہے،فروعی اختلاف کا نہیں۔

☆فروعی وفقہی اختلاف صحابہ سے چلا آرہا ہے،اسے قیامت تک نہیں ختم کیا جاسکتا،اسی حکم میں مجتہدین اور مفتیین کا اختلاف ہے،اس کی پوری گنجائش ہے۔

☆حق وہ ہے جس پر تمام اہل حق اہل السنہ والجماعہ متفق ہوں، باطل وہ ہے جسے تمام اہل حق باطل کہیں۔

☆ نیز اہل حق کے یہ مسلمات ومتفقات صرف عقائد،ضروریات دین اور قطعیات میں منحصر ہیں،فروع وظنی مسائل نہیں۔

☆اہل حق کی کسی ایک جماعت کے کسی چیز سے اختلاف کرنے سے وہ چیز باطل نہیں ہوجاتی۔

☆ مسلک ایک اردو لفظ ہے،کبھی عقائد پرتو کبھی فروعی مسائل پر بولا جاتا ہے، اس کی مراد واضافت سمجھے بغیر کسی پر حکم لگانا درست نہیں۔

☆ دینِ اسلام وضروریات دین ، اسی طرح عقائد واجماعیات کی تعلیم وتبلیغ دونوں درست ہے،فروع وظنیات کی تعلیم تو جائز ہے،تبلیغ جائز نہیں۔

تعلیم کا محل وہ شخص ہے جو خالی الذہن، لاعلم،کم ازکم اس مسئلہ میں جاہل محض ہے،اسے کوئی بات بتانا تعلیم دینا ہے۔

تبلیغ سے مراد یہ ہے کہ مدعو جس علم وعمل پر ہے اسے چھوڑ کر داعی اپنے علم وعمل پر آنے کی دعوت دے، تبلیغ ضروریات دین عقائد واجماعیات میں تو فرض و لازم ہے، فروع وظنی مسائل میں جائز نہیں۔

☆ علماء دیوبند اہل حق ہیں، ان کے کوئی نئے اصول وتشریح نہیں، وہ تمام اہل حق جماعتوں - مذاہب ثلاثہ عقدیہ اور مسالک اربعہ فقہیہ - کی یکساں ترجمانی کرتے ہیں، ان کے مسلمہ اصول اور متفق علیہ مسائل کے علمبردار اور ترجمان ہیں، فقہاً حنفی ہیں۔

☆ جلسۂ تعزیت ایک فروعی واجتہادی مسئلہ ہے، عقیدہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

☆ فروعی بھی ایسا کہ یہ عبادات کا مسئلہ نہیں، عادات الناس میں سے ہے، جس میں عبادات سے بھی زیادہ اختلاف کی گنجائش موجود ہے، یہاں کسی پہلو شدت اختیار کرنا عبادت میں شدت سے بھی برا اور مذموم ہے۔

☆ برصغیر اور عرب کے بہت سے علماء جلسۂ تعزیت کے جواز کے قائل ہیں۔

☆ حضرت مفتی سعید احمد صاحب نے جہاں بحث چھیڑی وہ جلسۂ تعزیت بھی نہیں تھا، بلکہ ایک شخصیاتی، علمی وسوانحی سیمینار تھا، سیمینار کے لئے لکھے گئے تین زبانوں میں مقالات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جو شائع ہو چکے ہیں، اس نشست و سیمینار کا تعزیت سے دور کا بھی تعلق نہیں، لہٰذا اسے بنیاد بنا کر مسلک مسلک کرنا انتہائی افسوسناک اور مذموم عمل ہے۔

وآخر دعونا أن الحمد للّٰہ رب العالمین